قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

(کا)

تیسواں ۳۰ وعظ مسمّٰی بہ

انواع السیا

منجملہ ارشادات حکیم الامت حضرت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی

حسب فرمائش جناب عبد الرحمن صاحب زمیندار رنگون

بابت ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۲ ہجری

احقر شبیر علی تھانوی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون کے اہتمام سے چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمّٰی ب
(ایواء الیتامٰی)

اَیْنَ	کہاں ہوا	یتیم خانہ انجمن مؤید الاسلام دہلی -
کَیْ	کب ہوا	۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ یکشنبہ شروع ۸ ½ بجے صبح -
کَمْ	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹہ ۵۰ منٹ (ختم انگریزی ۱۱ بجکر ۲۰ منٹ پر ہوا) -
کَیْفَ	کیونکر ہوا	کھڑے ہوکر -
لِمَ	کس لئے ہوا	[illegible]
مَا	کیا مضمون تھا	یتیموں کی امداد پر توجہ کیا گیا اور تعمیر یتیم خانہ کیلئے چندہ کی ترغیب دی گئی -
مَنْ عُنِیَ	زیادہ مقصود کن لوگوں کو تھا	اہل محلہ کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً -
مَنْ ضَبَطَ	کس نے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ
المستمعون	سامعین کی مقدار	۱۵۰۰ - تقریباً -
المتفرقات	متفرقات	[illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰ الم یجدک یتیما فاٰوی ۰

۵ [illegible] دیری جائے گی مسلمانوں کو [illegible] حکیم الامت [illegible]

ووجدک ضالاً فھدیٰ ۰ ووجدک عائلاً فاغنیٰ یہ تین آیتیں ہیں سورہ والضحیٰ کی جنمیں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا ہے اور اپنے احسانات یاد دلائے ہیں جس سے ایک حزن کو رفع فرمانا مقصود ہے جو اسوقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر طاری تھا اور ان احسانات کی یاد دہانی کو اس حزن کے رفع میں خاص دخل ہے چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ اس سے حق تعالیٰ کی جناب میں حضور کی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو حضور کا محزون رہنا گوارا نہیں جہاں ذرا آپ کو حزن ہوا فوراً تسلی کیگئی چنانچہ قرآن میں جابجا ایسی آیات وارد ہیں جنمیں حضور کے حزن کو رفع فرمایا گیا ہے کہیں ترک حزن سے منع فرمایا ہے جیسے ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ۰ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ایک جگہ ارشاد ہے ولا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر انھم لن یضروک شیئاً یعنی آپ کفار کے حال پر رنج کیجئے نہ ان کی تدبیروں سے تنگ ہوجئے حق تعالیٰ متقیوں اور نکوکاروں کے ساتھ ہیں اور جو لوگ جلدی جلدی کفر میں پڑتے ہیں وہ آپ کیلئے باعث غم نہ ہوں یہ لوگ آپکو کچھ ضرر نہیں دے سکتے۔ کہیں اسباب رفع حزن پیدا کر دیئے کہ آپکو اگر کچھ حزن ہوا بھی تو فوراً اُسکے رفع کے اسباب پیدا فرما دیئے گئے سبحان اللہ کیسی محبت ہے حق تعالیٰ کو آپ سے اور آپ کی تو بڑی شان ہے آپ کی وہ برکت ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ حق تعالیٰ کی وہ رحمت ہے کہ آپ کے طفیل سے آپ کی امت کا بھی محزون رہنا حق تعالیٰ کو گوارا نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے تکویناً و تشریعاً امت سے بھی رفع حزن و کلفت فرمایا ہے۔ اور چونکہ ازالۂ حزن کی قدر بدون حزن کے نہیں ہوتی اسلئے بھی اور دوسری حکمتوں کے لئے حزن تو ہوتا ہے مگر جلدی ہی ازالہ کر دیا جاتا ہے بلا تشبیہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے آپ بچوں کو بازار سے کوئی چیز لا کر دیتے ہیں تو فوراً انہیں دیئے بلکہ اول اُسکو دکھلا کو للچاتے ہیں وہ لینے کو دوڑتا ہے آکر لپٹ جاتا ہے تو آپ ہاتھ اونچا کر لیتے ہیں وہ اچکتا کودتا ہے تو آپ ہاتھ کو اور اونچا کر لیتے ہیں پھر وہ مچلتا ہے ناز کرتا ہے ضد کرتا ہے پھر بسورنے لگتا ہے پھر رونے لگتا ہے تب آپ سے نہیں رہا جاتا اور اسکو وہ چیز دیدیتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ

بھی بعض حکمتوں کی وجہ سے آپکو تھوڑا سا محزون کرتے ہیں پھر جلدی ہی حزن کو رفع کر دیتے ہیں اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں محض صورت تشبیہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ تاثر سے پاک ہیں (اس مثال سے صرف یہ تبلانا ہے کہ بعض دفعہ آپ بھی اپنے کسی محبوب کو تھوڑا سا حزن کسی حکمت یا غرض سے دیا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رنج دینا محبت کے منافی نہیں پس یوں ہی سمجھ لو کہ حق تعالیٰ بھی کسی حکمت سے امت کو تھوڑا سا رنج پہونچا دیتے ہیں یہ بھی محبت کے خلاف نہیں بلکہ اسمیں ہماری مصالح مضمر ہوتی ہیں ۱۲) حق تعالیٰ نے امت سے رفع کلفت اسطرح فرمایا ہے کہ اول تو ایسے احکام مشروع نہیں فرمائے جو طاقت سے زیادہ ہوں پھر اُن میں بھی خطا و نسیان کو معاف فرمادیا حدیث النفس اور غیر اختیاری وساوس سے مواخذہ کو رفع فرمادیا چنانچہ حق تعالیٰ نے ہمکو یہ دعا خود تعلیم فرمائی ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به۔ حق تعالیٰ کا یہ دعا خود تعلیم فرمانا اسکی دلیل ہے کہ وہ ہمارے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب حاکم عرضی کا مضمون خود بتلا دے تو پھر اُسکے منظور ہونے میں کچھ شک و شبہ نہیں رہتا مگر حدیث میں اسکی تصریح بھی وارد ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہوچکیں پھر ان میں یہ جملہ ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به تشریعاً بھی ہے اور تکویناً بھی یعنی جسطرح ہمارے اوپر طاقت سے زیادہ احکام مشروع نہیں ہوئے اسی طرح حق تعالیٰ اس امت پر مجموعی طور پر ایسی مصیبت تکویناً بھی نازل نہیں فرماتے جو اُسکی طاقت سے باہر ہو گو بعض غم اور تکالیف شدید معلوم ہوتے ہیں مگر طاقت سے زیادہ نہیں ہوتے کیونکہ شدت و ضعف امر اضافی ہے جس غم یا تکلیف کو ہم شدید سمجھتے ہیں وہ اُس سے خفیف کے مقابلہ میں شدید ہوتا ہے مگر فی نفسہ وہ ایسا شدید نہیں ہوتا جسکا ہم تحمل نہ کر سکیں حدیث میں اسکی تصریح ہے کہ حضور نے اپنی امت کیلئے حق تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ اُن پر قحط عام یا طوفان عام نازل نہو اور نہ ایسا کوئی دشمن مسلط ہو جو انکا استیصال کردے اور یہ دعا قبول ہوئی تو یہ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس امت پر تکویناً بھی ایسے مصائب نہیں آسکتے جو اُنکی طاقت سے زیادہ ہوں۔ پھر حزن و غم کے ساتھ ایسے امور بھی تکویناً پیدا کئے گئے ہیں جنسے تسلی ہوتی رہتی ہے

مثلاً بیماری ہیں دوا بھی ہے تیماردار بھی ہیں طبیب بھی ہے ؎

درد از یار است و درمان نیز ہم　　　دل فدائے او شد و جان نیز ہم

پھر ہر مصیبت کے وقت ہمکو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۝ پڑھنیکی تعلیم کیگئی ہے اس سے حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اجر و ثواب ملتا ہے بلکہ حدیث میں ہے کہ اگر کسی گذشتہ مصیبت کو یاد کرکے انا للّٰہ کہلے تو اُسوقت بھی وہی ثواب ملتا ہے جو وقت مصیبت کے کہنے سے ملتا ہے سبحان اللّٰہ کتنی بڑی دولت ہے۔ اور مصیبت کے وقت انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کی تعلیم جسطرح ثواب حاصل کرنیکے لئے کیگئی ہے اسی طرح رفع حزن کیلئے بھی کیگئی ہے واقعی اسکے مضمون کے استحضار کو رفع حزن میں بڑا دخل ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ہملوگوں نے محض الفاظ یاد کر لئے ہیں اسکے معنی پر غور نہیں کرتے اسلئے حُزن رفع نہیں ہوتا مگر یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم نسخہ کو غلط طریقے سے استعمال کرتے ہیں صحیح طریقہ سے استعمال نہیں کرتے حق تعالیٰ نے تو نسخہ بتلادیا مگر جب اُسکو صحیح طریق سے استعمال نکیا تو اثر نہونے میں طبیب کا کیا قصور؟ نسخہ کی کیا خطا؟ بھلا اگر کسی کو زکام ہو رہا ہو اور طبیب نے اُسکو جوشاندہ کا نسخہ لکھدیا ہو مگر وہ بجائے جوش دینے کے اُسکو سفوف بناکر پھانک لے یا شموم بناکر سونگھ لے تو زکام کیسے رفع ہوگا یہی گت ہمنے اس نسخہ کی بنائی ہے تو پھر نفع کیسے ہو اور ہمارا یہ برتاؤ کچھ اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہمنے تمام اعمال میں یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہم وضو کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں حج کرتے ہیں اور ان سب سے بنص صریح گناہ معاف ہوتے ہیں دل میں نور پیدا ہوتا ہے مگر کیا وجہ کہ ہمارے قلب میں نور پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہے ظلمت بعضہا فوق بعض کہ باوجود ان سب کاموں کے بھی دل میں ظلمتیں بھری ہوئی ہیں سو اسکی وجہ یہی ہے کہ ہم ان اعمال کو طریقہ سے ادا نہیں کرتے اگر طریقہ سے ادا کرتے تو قلب کی یہ حالت ہوتی نورٌ علیٰ نور یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء اور اگر کبھی دل میں نور پیدا بھی ہوتا ہے تو ہم اُس نور کو فضول اور لایعنی باتوں میں مشغول ہوکر ضائع کردیتے ہیں مولانا رومی نے مثنوی میں ایک مقام پر اسکی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے قلب میں جو اعمال سے نور پیدا ہوتا ہے اُسکی ایسی حالت ہے جیسے ایک چور کسی کے گھر میں چوری کرنے گیا تھا گھر والے کو

جو آہٹ چور کی معلوم ہوئی تو اُس نے چراغ جلانا چاہا پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو تھی نہیں چقماق سے آگ جھاڑ کر چراغ جلایا کرتے تھے گھر والے نے چقماق پر لوہا مارا اُس سے ایک شعلہ جھڑا جسکو اُس نے کسی کپڑے یا لکڑی پر لینا چاہا چور نے جو یہ دیکھا تو وہ چپکے سے اُسکے پاس جا بیٹھا جہاں کوئی شعلہ کپڑے پر گرتا وہ اپنا انگوٹھا اُس جگہ رکھدیتا اسلئے آگ روشن نہو سکی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تمھارے اعمال سے نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ دزد نہاں شیطان تمھارے پاس بیٹھا ہوا ہے جہاں کچھ نور پیدا ہوا وہ فوراً اُسپر اپنا انگوٹھا رکھدیتا ہے اسلئے وہ بڑھنے نہیں پاتا تو پہلے اس چور کو دل میں سے نکالو پھر نور اعمال باقی رہیگا ورنہ جب تک یہ چور دل میں گھسا بیٹھا ہے اُسوقت تک نور اعمال کا اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اب لوگ قرآن پر تو اعتراض کرتے ہیں کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر مگر ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ بات پیدا نہیں ہوتی لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نماز کس شان کی پڑھتے ہیں اے صاحب! آپ کی نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے آدمی کی ضرورت ہے اور آپ اُسکے سامنے ایک اپاہج مضغۂ گوشت کو لاکر پیش کردیں اور جب وہ کہے کہ میں اس اپاہج کو لیکر کیا کروں یہ بھی کوئی آدمی ہے تو آپ اُسکے جواب میں کہیں کہ صاحب تمنے آدمی کو کہا تھا میں نے آدمی لادیا دیکھ لو یہ حیوان ناطق ہے یا نہیں تو بیشک وہ معقولی آدمی تو ہے مگر معقول آدمی نہیں وہ اس قابل نہیں ہے جس سے آدمیوں کے کام لئے جائیں بس یہی حال ہماری نماز کا ہے کہ نام کو تو وہ نماز ہے مگر اسکی شان یہ ہے کہ نہ اُسکے ہاتھ ہیں نہ پیر نہ سر ہے نہ آنکھیں اگر ہاتھ ہیں تو سر کٹا ہوا ہے سر ہے تو آنکھیں اندھی ہیں اہل حقیقت تو ایسی نماز کو کالعدم سمجھتے ہیں جیسے اپاہج مضغۂ گوشت کو کالعدم سمجھا گیا تھا مگر فقہا نے یہ دیکھکر کہ نہونے سے ہونا بہتر ہے اگر نہ ہونے کا حکم لگایا جاویگا لوگ اسے بھی چھوڑ بیٹھیں گے اُسپر صحت کا حکم لگا دیا ہے مگر یہ حکم صحت ویسا ہی ہے جیسے آپنے اُس اپاہج کو حیوان ناطق ہونیکی وجہ سے آدمی کہا تھا بس ایسے ہی آپ کی نماز اصطلاحی نماز تو ہے مگر حقیقی نماز نہیں ہے لیکن اُس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اسکو بیکار سمجھکر چھوڑ دیں۔ نہیں صاحب بالکل بیکار یہ بھی نہیں نہونے سے اس کا ہونا پھر بہتر ہے کیونکہ بعض دفعہ اگر نظر عنایت ہو جائے تو

حق تعالیٰ کے یہاں صورت بھی قبول ہو جاتی ہے۔ مولانا نے ایسی نماز کے قبول ہونے کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں ؎

این قبولِ ذکرِ تو از رحمت است | چوں نماز مستحاضہ رخصت است

یعنی جسطرح عورت مستحاضہ کی نماز شرعاً صحیح مانی گئی ہے حالانکہ نماز کے اندر بھی اُس کا خون جاری ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ناپاک ہے مگر محض رحمت کی بناپر اُسکو قبول کرلیا جاتا ہے یہی حالت ہماری تمام نمازوں کی ہے کہ گو حقیقت کے لحاظ سے وہ کالعدم ہیں مگر حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے کبھی یہ بھی قبول ہو جاتی ہیں۔ نیز بعض دفعہ شدہ شدہ یہ نماز حقیقی نماز کی طرف وسیلہ ہو جاتی ہے۔ جیسے بعض طلبہ بدشوق ہوتے ہیں نہ مطالعہ کرکے پڑھتے ہیں نہ پڑھکر دیکھتے ہیں تو اُن کا اسوقت پڑھنا نہ پڑھنے کے مثل ہے مگر شفیق اُستاد اُسکو مکتب سے نہیں نکالتا اور یہ کہتا ہے کہ گو یہ اسوقت شوقین طالبعلم کے برابر نہیں مگر شدہ شدہ شوق کی امید ہے چنانچہ اکثر ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ جن طالبعلموں کو ابتدا میں شوق نہ تھا جب وہ عرصہ تک کام میں لگے رہے تو ایک وقت میں خود بخود اُن کو شوق پیدا ہو گیا انہی اسباب پر نظر کرکے حضرات فقہاء نے ایسی نمازوں پر صحت کا حکم لگا دیا اور واقعی فقہاء کا وجود بھی امت کیلئے رحمت ہے پس آپ اپنی ناقص نماز کو بیکار تو نہ سمجھیں مگر کامل بھی نہ سمجھیں اب اس اعتراض کا جواب ہو گیا کہ نماز کی تاثیر تو حق تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے کہ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر اور ہم اپنے اندر یہ اثر نہیں پاتے تو بات یہ ہے کہ یہ شان کامل نماز کی ہے اور آپ کی نماز کامل نہیں ہے اسلئے اُس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہم نماز کو بُری طرح ادا کرتے ہیں جیسے کوئی جوشاندہ کو سفوف بنا کر پھانک لے تو بتلائیے نفع کیونکر ہو (دوسرے یہ کہ جیسی ہماری نماز ہے ویسی ہی اُسکی نہی عن الفحشاء بھی ہے اگر کامل نماز ہوتی تو وہ ہمکو تمام فحشاء سے روکدیتی اب ناقص ہے تو کسیقدر فحشاء سے روکدیتی ہے اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا تجربہ ہے کہ نمازی آدمی عموماً بے نمازیوں سے کم گناہ کرتے ہیں اور ادنیٰ نفع تو یہی ہے کہ نمازی آدمی کے پاس کوئی کافر بہکانے کے واسطے نہیں آتا کفار جسکو نمازی دیکھتے ہیں اُسکو دین کا پابند اور پختہ سمجھکر کچھ نہیں کہتے اس سے وہ ناامید ہو جاتے ہیں کہ یہ ہمارے بہکانے میں نہیں آسکتا ۱۲) ایسے ہی انا للہ وانا الیہ

راجعون ۰ تمام غموم واحزان کا علاج ہے اگر اسکو شرائط سے استعمال کیا جائے اب اُسکے شرائط سنئیے مگر تمام شرائط کو تو کون ادا کریگا اور میں ہی کیا ادا کروں گا۔ مگر سب سے ادنیٰ شرط تو یہ ہے کہ اسکو تفکر وفہم معنی سے ادا کیا جائے محض طوطے کی طرح بے سمجھے بوجھے نہ کہا جاوے اب سنئیے اُسکے معنی کیا ہیں۔ اسمیں پہلا جملہ تو یہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ اسکے معنی یہ ہیں کہ بیشک ہم سب خدا ہی کی ملک ہیں وہ ہمارے اور تمام چیزوں کے مالک ہیں ہم کسی چیز کے مالک نہیں حتیٰ کہ اپنی جان کے بھی مالک نہیں یہ جان بھی خدا ہی کی ملک ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی جان میں بھی ہمکو ہر طرح کا تصرف جائز نہیں خودکشی حرام ہے مضر چیزیں کھانا جائز نہیں ہے اپنے آپ کو ذلیل کرنا رسوا کرنا ممنوع ہے آخر کیوں اسلئے کہ تم اپنی جان کے مالک نہیں ہو بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے بدون اُسکے اذن کے تم کوئی تصرف اسمیں نہیں کر سکتے اگر کروگے مواخذہ ہوگا جب تم اپنی جان کے بھی مالک نہیں تو مال واولاد واعزہ واقربا کے تو کیونکر مالک ہو سکتے ہو مال جائداد گھر بار جو کچھ ہے برائے نام تمھاری ملک ہے اور یہ برائے نام ملک بھی اسلئے مقرر کیگئی ہے تاکہ نظام عالم میں اختلال نہو ورنہ کسی کے پاس کوئی چیز بھی نہ رہا کرتی اگر شریعت بندوں کو مالک نہ کہتی تو خدا کی چیز سمجھ کر ہر شخص اُسکو چھیننا چاہتا اسلئے برائے نام تمکو مالک بنا دیا گیا ہے مگر حقیقت میں ہر چیز خدا کی ملک ہے ؎

در حقیقت مالک ہر شئے خداست　　　این امانت چندروزہ نزد ماست

ایک مقدمہ تو یہ ہوا اسکی ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملاؤ کہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے وہ جیسا چاہے تصرف کرے دوسرے کو کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد کسی مصیبت اور کلفت سے بھی پریشانی نہیں ہو سکتی کیونکہ سارے غم کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنے آپکو مالک سمجھتے ہیں کہ یہ مال ہمارا ہے جائداد ہماری ہے بیوی بھی ہماری ہے اولاد بھی ہماری ہے پھر اسمیں طرح طرح کی تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ مال بڑھنا چاہئیے ہمارے ہی پاس رہنا چاہئیے ضائع نہونا چاہئیے باغ میں ہمیشہ پھل آنے چاہئیں اولاد کے متعلق تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ پھلیں پھولیں۔ بڑے ہوں کمائیں کھائیں ہماری خدمت کریں اسی طرح تمام چیزوں کے متعلق ہم اپنی ایک تجویز ذہن میں قائم کر لیتے ہیں کہ یوں ہونا چاہئیے اسکے خلاف نہونا چاہئیے پھر جب

اُسکے خلاف ہوتا ہے تو رنج و غم ہوتا ہے کہ ہائے میں نے تو یہ امید کر رکھی تھی مجھے تو یہ توقع تھی یہ کیا ہو گیا پس اَنَّا لِلّٰہِ میں ان تجاویز کی جڑ کاٹی گئی ہے کہ تمکو کسی چیز کے متعلق کوئی تجویز قائم کرنیکا حق نہیں کیونکہ تم اور یہ سب چیزیں خدا کی ملک ہو۔ تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے غلام کو کیا حق ہے کہ وہ مالک کی چیزوں میں تجویزیں لگاتا پھرے بھلا انصاف کرو کہ اگر تم کسی کے پاس ہزار روپئے امانت رکھو اور وہ شخص اُن میں یہ تجویز کرے کہ یہ ہزار روپے ہمیشہ میرے ہی پاس رہیں یا ہزار کے دو ہزار ہونے چاہئیں تو بھلا وہ پاگل ہی نہیں تو حق تعالیٰ نے تبلا دیا کہ تم اپنے کو کسی چیز کا مالک کیوں سمجھتے ہو جو یہ تجویزیں اپنے ذہن میں پاس کرتے ہو کہ یوں ہو یوں نہ ہو تمکو اس کا کیا حق ہے کہ میری مملوک چیزوں میں رائے قائم کرو جب اس جملہ میں تجویز و توقع و امل کی جڑ کاٹ دی گئی تو اس کے استحضار سے تمام غموم و احزان کی جڑ کٹ جائیگی کیونکہ ہر حزن و غم کا منشا بھی توقع و امل ہے جو ہم پہلے سے کسی چیز کے متعلق قائم کر لیتے ہیں جسکے خلاف ہونے سے رنج ہوتا ہے اگر آپ کسی چیز کے متعلق کوئی بھی امید نہ قائم کریں تو پھر جو کچھ بھی ہوگا آپ اسکے لئے پہلے سے آمادہ ہونگے دیکھئے آپ کسی سے ملنے جائیں اور امید یہ ہو کہ وہ میری تعظیم کریگا اور اُس نے تعظیم نہ کی تو خلاف توقع سے رنج ہوگا اور اگر آپکو وہاں جاتے ہوئے تعظیم کی توقع نہ ہو بلکہ اُس سے ایذا کا اندیشہ ہو تو اُسکی ذرا سی خاطر سے بھی خوشی ہوگی اور ایذا دیگا تو رنج نہ ہوگا کیونکہ آپ پہلے سے اسکے لئے آمادہ تھے تو رنج کی جڑ یہی توقع و امل اور تجویز ہے اور جب حق تعالیٰ مالک ہیں اور ہم غلام ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب حق تعالیٰ کا ہے تو ہمکو کسی چیز کی بابت اپنی کوئی تجویز اور توقع قائم نہ کرنی چاہئے بلکہ ہر وقت یہ سمجھتے رہیں کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی امانت ہمارے پاس ہیں نہ معلوم ان کی بابت خدا تعالیٰ کی مشیت اور کیا تجویز ہے وہ جو چاہیں کریں۔ غلام کی تو وہ شان ہونی چاہئے جیسے کسی شخص نے ایک غلام خریدا تھا اُس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے کہا ابتک تو جو کچھ بھی نام تھا مگر آج سے وہی نام ہے جس سے آپ پکاریں پوچھا تم کیا کھایا کرتے ہو کہا ابتک تو جو کچھ بھی کھاتا تھا مگر آج سے وہ کھاؤنگا جو آپ کھلائیں گے وہ پہنونگا جو آپ پہنائیں گے۔ واقعی سچ کہا غلام کو کیا حق ہے تجویز کا بس اُسکی تو یہ شان ہونی چاہئے ۵

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

محض مالکیت ہی کا مقتضا یہ ہے کہ مالک کا کوئی تصرف اُسکی مملوک میں ناگوار نہیں ہوا کرتا پھر یہاں تو مالکیت کے ساتھ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں جنکا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور حکیم کے ہاتھ سے اگر کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ناگوار نہیں ہوا کرتی کیونکہ یہ اعتماد ہوتا ہے کہ اسمیں کچھ حکمت اور مصلحت ہوگی چنانچہ بعض دفعہ ڈاکٹر اپریشن کرکے جسم میں سے ایک پٹھا نکال دیتا ہے کیونکہ وہ الو کا پٹھا تھا اور اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوتی گو تکلیف ہوتی ہے مگر اُسکی حکمت پر اعتماد ہوتا ہے اسلئے سب کچھ گوارا کر لیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

طفل مے لرزد زنیش احتجام
مادر مشفق ازاں غم شاد کام

افسوس کیا ہمکو خدا تعالیٰ پر اتنا بھی اعتماد نہیں جتنا ایک ڈاکٹر پر ہوتا ہے اگر ہے اور یقیناً اس سے زیادہ ہونا چاہیئے جیسا کہ اعتقاد حکمت کا مقتضا ہے تو پھر اُدھر سے اگر کوئی ناگوار معاملہ پیش آتا ہے تو اس سے رنج و غم کیوں ہوتا ہے۔ تیسرے وہ محض حکیم ہی نہیں بلکہ رحیم بھی ہیں بے رحم نہیں ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں تمھارے واسطے بہتر ہی کرتے ہیں اور شفقت و مہربانی کیساتھ کرتے ہیں پھر وہ محبوب بھی ہیں۔ اور محبوب اگر محب کے مال کا مالک بھی نہو تب بھی محبوبیت کی وجہ سے اُس کا کوئی تصرف عاشق کو ناگوار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی جان و مال سبکو محبوب کی ملک سمجھا کرتا ہے محبوب کو محب سے امتحان لینے کا بھی حق ہوتا ہے پھر اگر حق تعالیٰ ہمارا امتحان لیں تو اُس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے آپ خدا تعالیٰ کے عاشق ہیں اور وہ محبوب ہیں محبوب کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہیئے ؎

درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جان نیز ہم

محبوب کی ایذا بھی لذیذ ہوتی ہے اُس سے گھبرایا نہیں کرتے مگر بعضے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ایک دوست تھے وہ ہر خط میں ایذا رساں باتیں لکھا کرتے تھے میں نے انکو دھمکایا تو آپ نے معذرت کا خط لکھا جسمیں یہ بھی تھا ؎ من عاشق معشوق مزاجم چہ کنم + وہ عاشق ہونیکے ساتھ معشوق بھی بننا چاہتے تھے میں نے جواب میں لکھا ؎ من قاتل معشوق

مزاجم چہ کنم + اسکے بعد اُن کا دماغ درست ہو گیا اُن کا عشق ولایتی عشق تھا ہمارے اُستاد مولانا فتح محمد صاحبؒ کی خدمت میں ایک ولایتی طالب علم پڑھتے تھے ایک دفعہ مولانا سے کسی بات پر ناخوش ہو گئے تو آپ کہتے ہیں کہ تم کافر ہو مولانا نے فرمایا کہ میں اگر کافر ہوں تو تم مجھسے پڑھتے کیوں ہو کہا کافر سے فن سیکھنا جائز ہے پھر کچھ دیر کے بعد غصہ ٹھنڈا ہوا تو مولانا سے معافی چاہنے آیا کہنے لگا مولانا ہماری باتوں کا بُرا نہ ماننا ہم تمہارا عاشق ہے تم معشوق ہو معشوق کو عاشق کہہ ہی لیتا ہے اللہ بچائے ایسے عشق سے تو بعضے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں مگر اُن کا جواب وہی ہے جو میں نے اُن دوست کو دیا تھا من قاتل معشوق مزاجم چہ کنم + ایسے عاشقوں کی مرمت کیجایا کرتی ہے بھلا عشق کا دعوی اور محبوب کی شان میں گستاخی کہیں یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں عاشق کی تو یہ شان ہوتی ہے ؎

باوجودت ز من آواز نیاید کہ منم

محبوب کے سامنے اپنی ہستی بھی ہیچ معلوم ہوا کرتی ہے یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ میں موجود ہوں اپنے وجود سے نظر اٹھ جاتی ہے محبوب کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اُس پر دل سے راضی ہوا کرتا ہے بلکہ اگر وہ یہ کہے کہ تجھکو میری ایذا ناگوار ہو تو لا تیرے رقیب کے ساتھ یہی معاملہ چھیڑ چھاڑ کا کرنے لگوں تو وہ یہ کہتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

پھر حیرت ہے کہ ہم لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر کے پھر اپنے وجود کو اپنا وجود سمجھتے ہیں مال کو اپنا مال سمجھتے ہیں اور حق تعالی ہماری جان و مال میں کوئی تصرف کریں تو اس سے ناگواری ظاہر کرتے ہیں حضرت لا الہ الا اللہ کہنا آسان نہیں توحید کا دعوی عشق کا دعوی ہے چنانچہ ارشاد ہے والذین آمنوا اشد حبا للہ اور شدت محبت ہی عشق ہے اور جب عشق کا دعوی کیا تو اس سے اسکا اقرار کر لیا کہ ہمارا کچھ نہیں ہے غرض سب کا ان لفظوں میں اپنے تئیں حق تعالی کے سپرد کر دیا دوسری جگہ فرماتے ہیں ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ حق تعالی نے جنت کے بدلے آپکی جان و مال سب خرید لیا ہے اور اشتراء کا لفظ بھی آپکا جی خوش کرنے کو ہے کیونکہ آپ ان چیزوں کو اپنا سمجھتے تھے اس لئے

فرما دیا کہ ہاں بھائی یہ چیزیں تمہاری ہی ہیں مگر ہم جنت کے عوض میں انکو تم سے خریدتے ہیں ورنہ حقیقت میں تو سب کچھ اُن ہی کا ہے اب معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمان کے پاس جو کچھ ہے اس کا نہیں ہے بلکہ اسلام لاتے ہی وہ سب کچھ خدا کو دیچکا ہے پھر وہ اگر اسمیں کچھ تصرف فرمائیں تو ہمکو ناگوار کیوں ہوتا ہے انکی چیز تھی انھوں نے جو چاہا تصرف کیا اگر تم موحد ہو تو اسپر راضی رہو توحید کے معنی فقط یہ نہیں ہیں کہ زبان سے خدا کو واحد کہدیا بلکہ توحید یہ ہے ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند | دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اگر آپ کہیں کہ ہم تو اسلام کو قبول کرتے ہیں عشق کو ہمنے کہاں قبول کیا تو میں کہونگا کہ لا الہ الا اللہ کہنا عشق کو مستلزم ہے جیسے نکاح کرنا تمام حوائج ضروریہ کی ذمہ داری کو مستلزم ہے اگر کوئی شخص نکاح کرے اور جب بیوی اُس سے کپڑا کھانا مانگے تو وہ انکار کرے اور یہ کہے میں نے تو نکاح کو قبول کیا تھا ان جھگڑوں کو تو قبول نکیا تھا بتلائیے آپ اُسوقت کیا کہیں گے ہر شخص اسکو یہی کہے گا کہ تمہارا نکاح کے وقت قبلت کہنا ان سب باتوں کو قبول کرنا تھا وہ قبلت متن تھا جسکی شرح یہ ہے کہ میں نے اس کیلئے کپڑا دینا بھی قبول کیا کھانا دینا بھی قبول کیا، مکان دینا بھی قبول کیا اگر لڑکی امیر زادی ہے تو اُسکے لئے خادم رکھنا بھی قبول کیا۔ اور مہر تو اُسی وقت قبول کیا جاتا ہے گو دیتا کوئی نہیں الا ماشاء اللہ اسی طرح لا الہ الا اللہ متن ہے جسکی شرح یہ ہے کہ میں نے اپنی جان و مال سب کچھ خدا تعالیٰ کے حوالہ کردی اب میرا کچھ نہیں سب اُنہی کا ہے میں کوئی کام اُنکی مرضی کے خلاف نکرونگا میں اُنکا محب ہوں وہ محبوب ہیں یہی معنی ہیں اس ارشاد کے والذین آمنوا اشد حبا للہ پس لا الہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی مطلوب و مقصود ہے نہ کوئی موجود ہے یعنی حقیقی موجود کوئی بھی نہیں خدا تعالیٰ کی ہستی کے سامنے کسی کی ہستی قابل اعتبار نہیں کسی کا وجود مستقل نہیں وجود مستقل حق تعالیٰ ہی کا ہے اسی کو شیخ ابن عربی یعنی شیخ اکبر فرماتے ہیں ؎

لا آدم فی الکون ولا ابلیس | لا ملک سلیمان ولا بلقیس

اس میں تو مطلقاً وجود کا انکار مفہوم ہوتا تھا مگر اسکے بعد حقیقت کو ظاہر کر دیا ؎

فالکل عبارۃ وانت المعنی | یا من ھو للقلوب مقناطیس

یعنی تمام مخلوقات کا وجود تابع ہے اصلی وجود آپ ہی کا ہے اسمیں تصریح کردی کہ ممکنات کیلئے بھی فی الجملہ وجود ہے مگر حقیقی اصلی نہیں بلکہ تابع ہے وحدۃ الوجود کی یہی حقیقت ہے اور یہ بالکل شریعت کے مطابق ہے اور اگر کسی نے مطلقاً وجود ممکنات کا انکار کیا ہے اُس کا بھی یہ مطلب ہے کہ ماسوائے حق کیلئے وجود مستقل نہیں یہ مطلب نہیں کہ بالکل وجود نہیں مگر چونکہ ممکنات کا وجود حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا اس بنا پر اُسکی بالکل نفی کردی جاتی ہے جیسے پورے قرآن کے حافظ کے سامنے قل ہو اللہ کے حافظ کو کوئی بھی حافظ نہیں کہتا حالانکہ ایک سورت کا تو وہ بھی حافظ ہے مگر اُسکو ناظرہ خوان ہی کہا جاتا ہے کیونکہ حافظ قرآن کے سامنے اُس کا حفظ لاشی محض ہے وہ حافظ کہلانیکا مستحق نہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ کا وجود مستقل و دائم و اقوی ہے اور ممکنات کا وجود غیر مستقل سراپا احتیاج و ضعیف ہے اس لئے وہ وجود حق کے سامنے وجود کہلانیکا بھی مستحق نہیں اسوجہ سے بعض نے مطلقاً وجود ممکنات کا انکار کردیا مگر مراد انکی وہی ہے جو شیخ اکبر کے کلام میں مذکور ہے (جسکو شیخ سعدیؒ نے خوب بیان فرمایا ہے ؎

همه هرچه هستند ازاں کمتر اند   که با هستیش نام هستی برند

ممکنات کو ہست بھی کہا پھر یہ بھی فرمایا کہ خدا کی ہستی کے سامنے یہ اس سے بھی کمتر ہیں کہ ہستی کا نام لے سکیں ۱۲ جامع) بس اب تو ہماری یہ حالت ہوگئی ہے ؎

من چو کلکم درمیان اصبعین   نیستم در صفِ طاعت بین بین

جس طرح ہاتھ کی حرکت سے قلم چلتا ہے اسی طرح ہم بھی دستِ قدرت کی وجہ سے چل رہے ہیں اگر وہاں سے افاضۂ وجود اور افاضۂ قدرت نہو تو ہم کچھ نہیں کرسکتے ہم اپنے حدوث و بقاء دونوں میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں یہ مت سمجھو کہ حدوث کے بعد بقاء میں احتیاج نہیں رہی بلکہ ہر وقت تم اُسکے محتاج ہو آپ مشینوں کو دیکھکر دھوکہ میں آئے ہونگے کہ گھڑی کو کوک بھرنے کی تو ضرورت ہوتی ہے اور جب ایک دفعہ کوک بھر دی گئی تو اسکے بعد اپنی میعاد تک وہ خود بخود چلتی رہتی ہے اب اُسکو چلانیوالے کی ضرورت نہیں رہی ہاں کوک ختم ہونیکے بعد پھر ضرورت ہوگی تو خوب سمجھ لو کہ یہاں یہ تشبیہ خلاف واقع ہے۔ حق تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ

آپکو اُن سے ایک منٹ کیلئے بھی استغنا ہو سکے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ بس جب خدا تعالیٰ نے ہمکو قدرت وقوت عطا کردی تو اب ایک خاص وقت تک ہمکو ضرورت نہیں رہی جیسے گھڑی کو کوک بھر نیکے بعد کوکنے والیکی ضرورت نہیں رہتی سو یہ غلط ہے بلکہ یہاں تشبیہ قریب وہ ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

انت کالریح ونحن کالغبار	یختفی الریح وغبراہ جہار

اور

؎ ما ہمہ شیران ولے شیرِ علم	حملہ شان از باد باشد دمبدم
؎ حملہ شان پیدا و ناپیداست باد	آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد

یہ تشبیہ کسیقدر حقیقت سے قریب ہے گو من کل الوجوہ یہ تشبیہ بھی ناقص ہے کیونکہ یہاں احتیاج صرف حرکت میں ہے وجود میں نہیں اور مشبہ میں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا وجود ہی سراپا احتیاج ہے اور حقیقی وجود کے سامنے وہ کالعدم ہے یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے اور یہ مضمون قرآن سے مؤید ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام یعنی تمام مخلوقات اصل میں فانی ہیں بقا صرف ذات حق کیلئے ہے۔ اسکی ساتھ ایک مقدمہ عقلیہ ورملالو ماثبت قدمہ امتنع عدمہ۔ کہ جس چیز کیلئے قدم ثابت ہو وہ معدوم نہیں ہو سکتی اور جسپر عدم طاری ہوگا وہ ممتنع القدم ہوگا اور وجود مستقل قدیم ہی ہو سکتا ہے پس وجود مستقل تو رفت وگذشت ہوا اب جن لوگوں کو وجود حقیقی کی عظمت منکشف ہو چکی ہے وہ اسوقت بھی تمام موجودات کو فانی مشاہدہ کرتے ہیں اسکی تائید بھی قرآن سے ہوتی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کل شیءٍ ھالك الا وجہہ یعنی ذات حق کے سوا ہر چیز ہالک ہے۔ ہالک صیغہ اسم فاعل ہے جو حال واستقبال دونوں کیلئے آتا ہے تو اسکے دونوں معنی ہو سکتے ہیں ای ہالك فی المستقبل یا ھالك بالفعل پس تم اسکو بمعنی مستقبل سمجھتے ہو کہ انجام کار ہر چیز کا فنا ہے اور اہل مشاہدہ بمعنی حال سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات ایسے وقت ہالک وفانی ہیں اور نص قرآنی اسکو محتمل ہے پس احتمال کے ہوتے ہوئے تمکو اہل مشاہدہ پر انکار کرنیکا کیا حق ہے اگر یہ کہا جاوے کہ ہمکو تو ممکنات کا وجود حسّاً نظر آرہا ہے تو ان کو ہالک بالفعل کہنا بداہت کے خلاف ہے میں کہونگا کہ ہالک بالفعل سے مراد معدوم نہیں بلکہ

کالمعدوم ہے یعنی ہالک فی مرتبۃ الذات پس جنکو ان کے وجود کا اضمحلال نظر آرہا ہے وہ تو ہالک بالفعل کہنے پر مجبور ہوگا پھر انمیں بعض اہل مشاہدہ کو تو اشیاء موجودہ کا وجود ہی نظر نہیں آتا جیسا دن میں ہمکو ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ وہ دن میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے معدوم معلوم ہوتے ہیں یہی حال ان اہل مشاہدہ کا ہے کہ چونکہ وہ تجلیات وجود حقیقی کا مشاہدہ کر رہے ہیں اسلئے انکو ممکنات کا وجود ہی نظر نہیں آتا اور وہ اشیاء کے انعدام کا حکم لگا دیتے ہیں اور ان کے مقابلہ جس شخص کی نظر تجلیات وجود حقیقی تک بالکل بھی نہیں پہنچی وہ چونکہ ظلمات میں ہے وہ اُس شخص کے مشابہ ہے جو رات کو ستارے دیکھتا ہے اور اہل مشاہدہ میں جو شخص کامل ہوگا وہ کسی وقت بھی نفس وجود ممکنات کا انکار نہ کرے گا اسپر تجلی انوار بہت زیادہ ہوتی ہے وہ اُس شخص کے مشابہ ہے جو اتنا تیز نگاہ ہو کہ دن میں بھی تارے دیکھ لیتا ہو بعض لوگ ایسے تیز نگاہ اب بھی ہوتے ہیں پس محقق باوجود تجلیات وجود حقیقی کے مشاہدہ کے وجود اشیاء کو بھی دیکھتا ہے مگر بس ایسا ہی دیکھتا ہے جیسا دن میں ستارے نظر آیا کرتے ہیں کیسے دھندلے مٹے مٹے معلوم ہوتے ہیں خیر یہ فرق تو صاحب مقام اور صاحب حال میں ہے مگر مشترک طور پر ہر صاحب مشاہدہ بزبان حال یہی کہیگا ؎

ما ہمہ شیران ولے شیر علم | حملہ شان از باد باشد دمبدم
حملہ شان پیدا و ناپیداست باد | ہرچہ ناپیداست ہرگز کم مباد

غرض جنکو یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے وہ بالکل بےفکر ہوگئے ہیں اُن کا مذاق تفویض کلی ہوتا ہے وہ اپنے لئے کچھ تجویز نہیں کرتے اُن کی تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست | می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو کچھ معاملہ ہماری ساتھ ہورہا ہے سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اسلئے اُنکو کسی بات سے بھی ناگواری نہیں ہوتی اور جس طرح وہ اپنی حرکات کو اُس طرف سے مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کی حرکات کو بھی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی خود کچھ نہیں کرتے بلکہ کسی محرک نے انکو حرکت دی ہے اسلئے اُنکو کسی کے فعل سے رنج نہیں ہوتا اُن کا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

گر گزندت رسد ز خلق مرنج | کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

از خدا دان خلاف دشمن و دوست | کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وان یمسسک اللہ بضرٍ فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔ تو بتلائیے یہ وحدۃ الوجود قرآن وحدیث کے مطابق ہے یا خلاف یقیناً بالکل مطابق ہے جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا وجود مستقل نہیں غیر مستقل اور سراپا احتیاج ہے اسلئے وجود الٰہی کے سامنے وہ ہیچ در ہیچ اور کالعدم ولاشیٔ محض ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام میں نفی وجود کی ہو اگر وہ مغلوب الحال نہیں تو اسکو مبالغہ پر محمول کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ مطلب اُس کا بھی یہی ہے جسکو مبالغہ کے ساتھ بیان کر رہا ہے تم اسکو کافر کیوں بناتے ہو ہاں اگر کسی بھنگڑ، سنگڑ کو کہو تو ہم بھی اُنکی حمایت نکریں گے کیونکہ یہ نالائق وحدۃ الوجود کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ تو محض الفاظ یاد کر کے مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں مگر اہل مشاہدہ کو تم کیوں کافر کہتے ہو جیسے شیخ اکبرؒ ہیں یا ملا جامیؒ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ان بزرگوں کے کلام میں بھی تو ہمہ اوست وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ موجود ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے جنسے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کے وجود کو وجودِ حق ہی سمجھتے ہیں اور یہی باتیں بھنگڑوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں پھر فرق کی کیا وجہ کہ انکو تو کافر کہنا جائز اور اُنکو کافر کہنا ناجائز۔ میں کہوں گا کہ تم اُنکی ساتھ وہ برتاؤ کرو جو حق تعالیٰ کرینگے وہ یہ کہ فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ھم المفلحون کہ جس شخص کے حسنات سیئات پر غالب ہوں وہ خدا کے نزدیک اہل فلاح ہے پس تم بھی اسکو صالح سمجھو اب یہ دیکھو کہ ہمہ اوست کہنے والے کی حالت کیا ہے اگر اسکے حسنات سیئات پر غالب ہوں تب تو اسکے قول میں تاویل کرو کسی محمل حسن پر محمول کرو اور اگر سیئات حسنات پر غالب ہیں تو وہ مقبول نہیں اُسکے کلام میں تاویل کی ضرورت نہیں پس شیخ اکبرؒ و ملا جامیؒ وغیرہ کے کلام میں تاویل کر لینا ضروری ہے ان کی تکفیر نکی جائے گی کیونکہ اُن کی حسنات اس درجہ ہیں کہ کسی کو اُنکی بابت لب کشائی کی جرأت نہیں ہو سکتی اگر تاویل کرنیکو جی نہیں چاہتا تو غلبہ حال ہی پر محمول کر لیجئے۔ کیونکہ بعض دفعہ سالک پر غلبۂ حال ایسا ہوتا ہے جس سے اسکی عقل زائل ہو جاتی ہے اسکو صوفیہ کی اصطلاح میں جذب کہتے ہیں اور اطباء اسکو جنون کہتے ہیں اچھا آپ اطبا ہی کے قول کو مان لیجئے اور اس حالت کو جنوں ہی کہئے اور ظاہر ہے کہ مجنون مکلف نہیں

ہوتا تو یہ حضرات ان کلمات کے صدور کے وقت غیر مکلف تھے اب آپکو تکفیر کا کیا حق ہے بخلاف اہل بطالت کے کہ اُن کے کلام میں تاویل کا کوئی داعی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ بھلا ان سے غلبۂ حال میں یہ کلمات کفریہ ہی نکلے اگر ایسے ہی مغلوب الحال تھے تو انھوں نے گوہ کیوں نہ کھالیا پیشاب کیوں نہ پی لیا تو بات یہ ہے کہ مغلوب الحال بعض تو ایسے ہیں جنکی عقل وحواس دونوں زائل ہوجاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کے حواس زائل نہیں ہوتے صرف عقل زائل ہوجاتی ہے وہ مثل انعام کے ہوتے ہیں کہ انکو کھانے پینے چلنے پھرنے کا احساس ہوتا ہے جانوروں کی طرح یہ بھی تمیز ہوتی ہے کہ یہ چیز کھانیکی ہے یہ کھانیکی نہیں مگر اتنے احساس کے بقار سے وہ مکلف نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ احساس تو انعام میں بھی ہے حالانکہ وہ غیر مکلف ہیں اسی طرح مجذوبوں کی بھی دونوں قسمیں غیر مکلف ہیں بس تم ان حضرات کو مغلوب الحال سمجھکر کافر نہ کہو مگر ایسے مجذوبوں کے پاس نہ جاؤ اُن کی صحبت میں نہ بیٹھو نہ انکی کتابوں کا مطالعہ کرو انکی صحبت کم فہم کے لئے مضر ہے اور نا اہل کو ان کے کلام کا مطالعہ سم قاتل ہے بس انکی مثال ایسی ہے جیسے بجلی کا تار کہ فی نفسہ وہ نہایت عجیب شی ہے کہ روشنی اور ہوا کا آرام اُس سے ملتا ہے ٹرامو ے اُس سے چلتی ہے مگر اُس سے دور ہی رہنا چاہیئے ہاتھ لگانا غضب ہے جہاں ہاتھ لگایا اور اُس نے انسان کا خاتمہ کیا اسی طرح ان حضرات کو صاحب کمال سمجھتے رہو اُن کا احترام کرو مگر دور ہی رہو انکی صحبت مضر ہے گو خود قابل احترام ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

نکتہ ہا چوں تیغ پولادست تیز ۔۔۔ چوں نداری تو سپر وا پس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا ۔۔۔ کز بریدن تیغ را نبود حیا

یہ تو اُن کا حال ہے جو صاحب کمال واقعی تھے آگے اُن لوگوں کی خبر لیتے ہیں جو اہل کمال نہیں ہیں محض نقال ہیں کہ اہل کمال کی باتوں کو بے سمجھے بوجھے گاتے پھرتے ہیں اور مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں ؎

ظالم آن قومیکہ چشمہاں دوختند ۔۔۔ از سخن ہا عالمے را سوختند

واقعی ان نقالوں نے دنیا میں آگ لگادی بہتوں کے خرمن ایمان کو جلا پھونکدیا غرض یہ بات محقق ہوگئی کہ وحدۃ الوجود کی جو اصل حقیقت ہے وہ شریعت کے بالکل مطابق ہے اور

جس نے وجود مستقل سے زیادہ کی نفی کی ہے وہ اسوقت غلبۂ حال سے مغلوب تھا اگر شبہ ہو کہ بعض کاملین کے کلام میں بھی ایسے مضامین پائے جاتے ہیں اور کاملین مغلوب الحال نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ غلبۂ حال جسطرح ناقصین کو ہوتا ہے اسیطرح گاہے کاملین پر بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ انبیاء پر بھی ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غلبۂ حال ہوا ہے ایک دفعہ واقعہ فترۃ وحی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو چند آیات نازل ہو کر پھر بند ہو گئی تین سال تک وحی نازل نہ ہوئی اس عرصہ میں حضور پر سخت قبض طاری ہوا جسمیں بعض دفعہ یہ حالت ہوتی کہ آپ پہاڑ پر چڑھکر اوپر سے اپنے کو گرا کر ہلاک کرنا چاہتے اسوقت معاً حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہو کر تسلی فرماتے اور اس فعل سے روکتے دوسرا واقعہ بدر میں جسکا قصہ حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسروز صبح کی نماز کے بعد عریش مبارک میں مسلمانوں کی فتح کیلئے دعا فرما رہے تھے اور دعا بھی الحاح کے ساتھ حتی کہ یہ بھی فرما دیا اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی جو اسوقت میرے ساتھ ہے تو پھر آج کے بعد کوئی آپکا نام نہ لیگا کوئی آپ کی پرستش نہ کریگا - آخر یہ کیا تھا حق تعالی کو یہ سنایا جا رہا ہے کہ آج کے بعد آپکا کوئی نام نہ لیگا بھلا خدا کو کسی کی عبادت کی ضرورت ہی کیا تھی علماء ظاہر تھک جائیں گے تاویلیں کرتے کرتے مگر صوفیہ بے تکلف کہتے ہیں کہ اسوقت حضور پر غلبۂ حال تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کیساتھ کوہ طور پر جو لوگ گئے تھے عبادت عجل سے معذرت کرنے اور وہاں انپر صاعقہ نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے اسوقت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی جسمیں یہ جملہ بھی ہے ان ھی الا فتنتک تضل بہا من تشاء وتھدی من تشاء - فرماتے ہیں کہ یہ عبادت عجل کا قصہ آپ ہی کا تو کرشمہ ہے یہ بھی غلبہ حال ہی تھا ورنہ بدون غلبۂ حال کے انبیاء علیہم السلام ایسی بات نہیں فرما سکتے اسی طرح بعض کاملین بھی غلبۂ حال میں وحدت الوجود میں مبالغہ کر جاتے ہیں بہر حال اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ نہ ہمارا وجود مستقل نہ ہم کسی چیز کے مالک نہ کوئی چیز ہماری قبضہ میں جو کچھ ہے سب حق تعالی کا ہے انکو اپنی اشیاء میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے یہی تعلیم ہمکو انا للہ میں دی گئی ہے کہ کسی چیز کو اپنا نہ سمجھیں حتی کہ اپنے آپکو بھی

خدا ہی کا سمجھیں اس مضمون کے استحضار سے تجاویز و آمال کا قلع قمع ہو جائیگا پھر کسی مصیبت سے بھی کلفت زیادہ نہوگی۔

پس جب کوئی مصیبت آوے ہمکو فوراً یاد کر لینا چاہیئے کہ ہم اور ہمارا سب مال و متاع وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور مالک کو ہر طرح اختیار ہے جو چاہے کرے دیکھئے ہمارے گھر میں ایک الماری ہے اور بہت سے برتن ہیں تو ہم کبھی تو برتنوں کو اس ترتیب سے لگاتے ہیں کہ پیالیاں اوپر کے تختے پر اور رکابیاں نیچے کے تختہ پر اور کبھی اس ترتیب کو بدل دیتے ہیں کہ جو نیچے ہیں اُن کو اوپر کر دیا اور جو اوپر ہیں انکو نیچے کر دیا اسپر اگر کوئی اعتراض کرے کہ صاحب آپنے اوپر کے برتنوں کو نیچے اور نیچے کے برتنوں کو اوپر کیوں کیا بتلایئے آپ کیا جواب دیں گے۔ آپ صاف یہی کہیں گے کہ الماری بھی میری اور برتن بھی میرے مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں رکھوں آپ اعتراض کرنیوالے کون ہیں یا اللہ! آپکو تو اس برائے نام ملک کی وجہ سے ایسا اختیار حاصل ہو اور خدا تعالیٰ کو حقیقی ملک کے بعد بھی یہ اختیار حاصل نہو غضب کی بات ہے پس سمجھ لیجئے کہ جسطرح آپ کی الماری کے مختلف طبقے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی عالم کے مختلف طبقے کر رکھے ہیں ایک طبقہ اوپر ہے ایک نیچے ہے پس کبھی وہ مخلوقات کو نیچے سے اٹھا کر اوپر کے طبقہ میں رکھدیتے ہیں (یہ تو مرنیوالے ہیں) اور کبھی بعض کو اوپر سے نیچے بھیجدیتے ہیں (یہ پیدا ہونے والے ہیں) اسپر آپ ناک منہ کیوں چڑھاتے ہیں اور جب کوئی آپکا عزیز مرتا ہے اُسوقت خدا کی شکایت کیوں کیجاتی ہے آخر کیا آپ اپنی چیزوں میں ردوبدل نہیں کرتے کہ اسکو اٹھایا وہاں رکھا اُسکو لاکر یہاں رکھا اسی طرح حق تعالیٰ بھی ردوبدل کرتے ہیں دیکھو جس شخص کے یہاں بہت سے جانور ہوتے ہیں وہ کبھی تو انکو اپنے گھر کے دروازہ میں باندھتا ہے کبھی جنگل میں مکان بنا کر کھیت کے پاس باندھتا ہے بھلا جانور کو کچھ حق ہے اعتراض کا کہ مجھے یہاں کیوں باندھا وہاں کیوں نہ باندھا۔ کچھ حق نہیں کیونکہ آپ مالک ہیں وہ مملوک ہے اُسکو کوئی حق نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی جگہ بندھنا چاہے۔ اے اللہ پھر خدا تعالیٰ کو یہ اختیار کیوں نہیں کہ آج انھوں نے آپکو بستی میں رکھا اور چند روز کے بعد جنگل بیابان میں قبر کے اندر رکھدیا اُنکی چیز ہے جہاں چاہے رکھے کسی کو کیا حق اعتراض ہے پھر حق تعالیٰ مالک ہونیکے ساتھ رحیم بھی ہیں

جو مالک مہربان ہوتا ہے وہ جو برتاؤ بھی کرتا ہے اُسمیں سب غلام راضی رہتے ہیں کیونکہ اُس کا برتاؤ رحم سے خالی نہیں ہوتا پھر وہ حکیم بھی ہیں اگر حق تعالیٰ میں صرف حکمت ہی ہوتی تو یہی ایک صفت بندہ کے رفع حزن کیلئے کافی تھی دیکھئے ڈاکٹر نشتر لگاتا ہے مگر اُس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا بلکہ شکریہ ادا کرتے اور فیس دیتے ہیں میرے والد صاحب کے ہاتھ میں ایک دانہ ہوگیا تھا جسکی بہت تکلیف تھی اُسمیں پیپ پڑگئی جسکی وجہ سے نشتر کی ضرورت تھی والد صاحب نے نشتر سے انکار کیا ڈاکٹر نے کہا اچھا میں مرہم لگا دوں گا اُسی سے اچھا ہو جائیگا پھر باتوں باتوں میں کسی بہانہ سے آنکھ بچاکر فوراً نشتر لگا دیا چونکہ دانہ پک چکا تھا اسلئے والد صاحب کو نشتر کی خبر بھی نہوئی بس دفعۃً مڑکر جو دیکھا تو اُسمیں سے پیپ لہو نکل رہا تھا والد صاحب بہت ممنون ہوئے کہ بدون تکلیف کے یہ کام ہوگیا اور ڈاکٹر کو معقول نذرانہ دیا۔ تو بڑا غضب ہے کہ مسلمان ہوکر خدا تعالیٰ سے لوگوں کو اتنا بھی اعتقاد نہیں جتنا ڈاکٹر سے ہوتا ہے جب حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلفت ہمارے اوپر ڈالی جاوے تو ہمکو سمجھنا چاہیئے کہ یہ کسی باطن دل کیلئے نشتر ہے مگر اب تو یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی ناگوار بات پیش آئی یوں کہتے ہیں کہ اے ہے! ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔ اسمیں دو باتیں تعجب خیز ہیں ایک یہ کہ جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے جبھی تو کہتا ہے کہ کس گناہ میں پکڑے گئے اگر اپنے کو سراپا گناہ سمجھتا تو یہ کلمہ ہرگز زبان سے نہ نکلتا صاحبو! آپ مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ تم پر اگر انعام ہو تو یوں کہو کہ ہمنے کونسا نیک کام کیا تھا جو یہ انعام ہمارے اوپر ہوا۔ بخدا ہمارے اوپر انعام ہونا تعجب خیز ہے سزا ہونے میں کیا تعجب ہے ہمارا کونسا وقت اور کونسا کام گناہ سے خالی ہے دوسری بات اس کلمہ میں یہ ہے کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ شاید خدا تعالیٰ کو حکیم نہیں سمجھتے ورنہ بجائے تعجب و شکایت کے اُسکی حکمتوں میں غور کرتے اور بخدا غور کرنیکے بعد حق تعالیٰ کے معاملات کی حکمتیں ضرور معلوم بھی ہو جاتی ہیں اگر اُسوقت نمعلوم ہوں تو بعد کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر بالکل معلوم نہ ہوتیں تب بھی اعتقاد اجمال حکمت کا کافی تھا۔ غرض حق تعالیٰ مالک بھی ہیں حکیم بھی ہیں محبوب بھی ہیں اور انمیں سے ہر صفت کا مقتضا یہ ہے کہ اُن کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اُس سے ناگواری نہونا چاہیئے

چہ جائیکہ اُن میں تمام صفات مجتمع ہیں بلکہ بعض صفات کا مقتضا تو یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے
کوئی ناگوار معاملہ بلا وجہ بھی ہماری ساتھ ہو جب بھی ناگواری نہونی چاہیئے کیونکہ مالک کو اپنی
مملوکات میں ہر طرح اختیار ہوتا ہے اُسکے تصرف کیلئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں بس یہی وجہ
کافی ہے کہ وہ مالک ہے اسی طرح محبوب کو محب کے امتحان کا ہر وقت حق حاصل ہوتا ہے اُسکے
لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ محبوب ہے۔ مگر یہاں تو وجہ بھی موجود ہے پھر اسکے بعد تبلایئے خدا تعالیٰ
کی شکایت کا کیا حق ہے وہ وجہ کیا ہے ہماری نافرمانی سرکشی چنانچہ ہمارا کوئی کام بھی معصیت
سے خالی نہیں بعض لوگ خوش ہوتے ہونگے کہ ہم نماز روزہ کرتے ہیں مگر ہم جو اپنے اعمال کو دیکھتے
ہیں تو سراپا ناقص ہی ناقص ہیں ہماری حسنات بھی بجائے خود معصیت ہیں ہمارے بعض
حضرات تو بوجہ ناواقفی مسائل کے مفسدات میں مبتلا ہیں بعض حرکتیں ایسی کر جاتے ہیں جن سے
نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر انکو خبر بھی نہیں ہوتی کیونکہ مسائل سے بیخبر ہیں مرادآباد میں ایک مسافر امام
نے دو رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ اپنی نماز پوری کرو میں مسافر ہوں تو مقیمیں میں سے
ایک صاحب نماز کے اندر ہی کہتے ہیں ہاں جناب کیا فرمایا انھوں نے کہا کہ میں نے تو جو کچھ
فرمایا تھا بعد کو بتلاؤں گا مگر پہلے آپ اپنی نماز کا اعادہ کریں اسی طرح ایک مولوی صاحب
سادھورہ میں تھے جب وہ طالبعلمی کرتے تھے تو اُسوقت ایک نماز میں کسی امام کے پیچھے شریک
ہوئے امام غلطی سے تیسری رکعت پر بیٹھ گیا تو آپ پیچھے سے فرماتے ہیں قُم یعنی کھڑے ہو جاؤ۔
امام کو یاد آگیا کہ تیسری رکعت ہے وہ کھڑے ہو گئے سلام کے بعد انھوں نے کہا کہ یہ قم فرمانے
والے کون صاحب تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کریں تو آپ فرماتے ہیں کہ کیوں میں نے تو عربی
میں کہا تھا امام نے کہا سبحان اللہ تو پھر اہل عرب کی نماز تو کبھی باطل نہونی چاہیئے خواہ کچھ ہی
باتیں کرتے رہیں کیونکہ وہ اردو میں تھوڑا ہی باتیں کرتے ہیں تو یہ طالب علم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ
اردو فارسی ہی میں باتیں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے عربی میں باتیں کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی
اور اس سے بھی عجیب ایک اور قصہ ہے ہمارے ملنے والوں میں ایک صاحب حافظ اکبر تھے
سمجھدار پڑھے لکھے ایک دفعہ وہ اور دو شخص اس امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے امام کو نماز میں حدث ہوا تو انھوں نے
ان ہی حافظ اکبر کو پیچھے سے آگے کھڑا کر کے خلیفہ بنا دیا اور خود وضو کرنے چلے گئے مقتدی دو شخص

رہ گئے اُن میں سے ایک بولا کہ ہیں یہ کیا ہوا (یعنی یہ کیا قصہ ہے کہ امام چلا گیا اور مقتدی امام بنگیا ۱۲) دوسرا بولا چپ رہ یوں بھی ہوا کرتا ہے خیر یہ تو دونوں جاہل تھے مگر مزا یہ کہ حافظ اکبر صاحب جو امام بنے ہوئے تھے آگے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب میں کسکو نماز پڑھاؤں ظالموں نے سبھی نے نماز غارت کردی اب یہ قصے تو جاننے والوں کے سامنے ہوئے اسلئے معلوم ہوگیا کہ نماز نہیں ہوئی اور اگر کہیں سارے جاہل ہی ہوں تو نماز کا فاسد ہونا بھی معلوم نہوگا تبلایئے ایسی حالت میں بدون علم دین حاصل کئے ہوئے کیونکر اطمینان ہو کہ ہم لوگ جتنی نمازیں پڑھتے ہیں سب صحیح ہوتی ہیں اور اگر کوئی اللہ کا بندہ مسائل سے واقف بھی ہوا اور مفسدات میں بھی مبتلا نہوا مگر التفات میں اور عبث و فضول حرکات میں تو کثرت سے ابتلا ہے مکروہات سے تو بہت ہی کم لوگ بچتے ہیں بعض لوگ بلا ضرورت کھانستے ہیں کوئی نگاہ اونچی رکھتا ہے کوئی بار بار کھجلاتا ہے کوئی رکوع سجدے میں ایسی جلدی کرتا ہے کہ نہ قومہ پورا ہوتا ہے نہ جلسہ۔ اکثر لوگ نماز میں قرآن غلط پڑھتے ہیں اور باوجود قدرت کے صحیح نہیں کرتے اور اسکے سوا بہت سی کوتاہیاں ہیں کہاں تک احصار کیا جائے اور اگر کسی نے ان سب کی بھی اصلاح کرلی تو خشوع سے تو قریب قریب سبھی محروم ہیں الا ماشاء اللہ اور بدون خشوع و حضور قلب کے نماز کامل نہیں ہوتی تو سبکی نمازیں ناقص ہیں اور خشوع سے محرومی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ حقیقت ناشناسی سے اسکو غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اس ناحقیقت شناسی کی وجہ یہ ہے کہ سلوک میں کوئی کتاب نہیں پڑھتے نہ اس فن کو کسی سے حاصل کرتے ہیں اسلئے عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ خشوع کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے بس یہ تو بڑے بڑے بزرگوں ہی کو حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ خشوع کا ہر مسلمان مکلف ہے اگر یہ ہر شخص کی قدرت میں نہو تو تکلیف مالایطاق لازم آتی ہے اور وہ شرعاً ممتنع ہے سو میں کہتا ہوں کہ خشوع کی حقیقت بہت سہل ہے کچھ مشکل نہیں ہاں کرنیکی چیز ہے اگر آپ یوں چاہیں کہ بدون کچھ کئے کام ہوجائے تو پھر روٹی بھی نہ کھایا کیجئے کیونکہ اسمیں بھی تو کچھ کرنا پڑتا ہے باقی اسکا میں اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کو زیادہ مشقت نکرنا پڑے گی صرف ارادہ کرنا پڑیگا اور یہ بھی کوئی مشکل کام ہے خشوع کا جو نسخہ میں تبلاؤنگا وہ میرے اُستاد علیہ الرحمۃ کا فرمایا ہوا ہے واقعی لاکھوں روپیہ

کا نسخہ ہے جو بہت ہی سستے داموں بلکہ بلا داموں ملگیا قدر کی چیز ہے وہ نسخہ یہ ہے کہ نماز میں جو ہم لوگ دعائیں اور سورتیں پڑھتے ہیں وہ چونکہ ہمکو حفظ ہوگئی ہیں اسلئے ہم انکو روانی کے ساتھ اس طرح پڑھتے ہیں کہ ان کے ہر جزو کے لئے ارادہ اور قصد کی ضرورت نہیں ہوتی بس ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد گھڑی کی طرح زبان خود بخود چلتی رہتی ہے آپ چاہے توجہ کریں یا نکریں سب دعائیں خود بخود زبان سے ادا ہوتی رہیں گی اور چونکہ سورتیں بھی ساری عمر کیلئے دو تین ہی چھانٹ رکھی ہیں اسلئے انکی تعیین کیلئے بھی توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو تمہید تھی اب خشوع کا طریقہ سمجھو کہ تم حافظوں کی طرح ان دعاؤں اور سورتوں کی نمازیں نہ پڑھا کرو بلکہ ناظرہ خوانوں کی طرح پڑھا کرو اور ناظرہ خواں بھی وہ جسکا قرآن کچا ہو یا ایسے حافظ کی طرح جسکا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا ایسا حافظ ہر لفظ کو غور سے دیکھکر یا سوچکر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کرکے پڑھتا ہے اسی طرح تم نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کرو کہ اب سبحانک اللھم کہہ رہا ہوں اب بحمدک کہہ رہا ہوں اب الحمد للہ کہہ رہا ہوں اب رب العلمین زبان سے نکال رہا ہوں اسی طرح ساری نماز پڑھو بس خشوع حاصل ہوگیا کیونکہ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی وسوسہ اور خیال نماز میں نہ لایا جائے بلکہ اپنی توجہ کو نماز کی طرف رکھا جائے اس طرح ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ اور توجہ کرنے سے پھر آپکو عمداً کوئی وسوسہ نہ آئیگا کیونکہ قاعدہ ہے النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد یعنی ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہو سکتی

ع اناے کہ پر شد دگر چوں برد

جب آپ پوری توجہ کو الفاظ پر مبذول رکھیں گے تو آپکے ارادہ سے کوئی خیال نہ آئیگا اول تو انشاء اللہ کوئی بھی خیال نہ آئیگا اور اگر آئے گا تو بلا ارادہ آئیگا جیسے نگاہ کو آپ ایک جگہ پر جمائیں تو شئے منظور کے سوا آس پاس کی چیزیں بھی خود بخود مبصر ہو جاتی ہیں بصارت کی طرح بصیرت کا بھی یہی حال ہے کہ ایک طرف توجہ جمانے سے بھی خود بخود بعض مخزونات خیال سامنے آجاتے ہیں مگر یہ خشوع کیلئے مضر نہیں اور ان کا نہ آنا اختیار میں نہیں اور جو لوگ خشوع کو دشوار و مشکل کہتے ہیں وہ خشوع کی حقیقت یہی سمجھے ہیں کہ از خود بھی کوئی خیال نہ آئے مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ وساوس انسان کے اختیار سے باہر ہیں ہاں یہ اختیار میں ہے کہ اپنی طرف سے نہ لاؤ تو اسی کے ہم مکلف بھی ہو سکتے ہیں اور جو اختیار میں نہیں

اُسکے مکلف ہی نہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اس آیت کا نزول وساوس غیر اختیاریہ ہی کے بارہ میں ہوا ہے۔ تو معلوم ہوگیا کہ خشوع بہت ہی سہل ہے اور اس کی تحصیل واجب ہے مگر ہم اس سے بالکل غافل ہیں تو کیا یہ سیئہ نہیں۔ یقینا سیئہ ہے پس ثابت ہوگیا کہ ہم طاعات میں بھی سیئات سے خالی نہیں ہیں جب ہماری طاعات کا یہ حال ہے تو معاصی تو معاصی ہیں ہی۔ اب سوچیئے کہ ہمارا کسی مصیبت کے وقت یہ کہنا کہ ہائے کس گناہ میں پکڑے گئے کتنا غلط جملہ ہے ارے کوئی ایک گناہ ہے یوں کہتے ہو کہ کس گناہ میں پکڑے گئے یہاں تو سر سے پیر تک گناہ ہی گناہ ہیں سارا بدن ہی زخمی ہے ؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم +

پھر اسپر بھی حق تعالی کی طرف سے انعامات کی کسقدر بارش ہے یہ جائے تعجب ہے پس ہمکو تو انعام کے وقت یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمسے ایسا کونسا نیک کام ہوگیا تھا جو یہ انعام ہوا پھر یہ کہ جسکی طرف سے باوجود ہماری نالائقی کے اسقدر انعامات ہیں اگر کبھی اسکی طرف سے کلفت بھی پہونچ جائے تو کیا ناگواری ہونی چاہیئے صاحب جو تمکو ہمیشہ حلوے کھلاتا رہے اگر اُسکے ہاتھ سے کبھی کوئی تلخ چیز منہ کے اندر پہونچ جائے تو مروت کا مقتضا یہ ہے کہ اُسکو خوشی سے قبول کرنا چاہیئے ؎

آنرا کہ بجائے تُست ہر دم کرمے   عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

حضرت لقمان علیہ السلام کا قصہ ہے کہ وہ ابتدا میں ایک شخص کے یہاں باغبانی کرتے تھے ایک دفعہ مالک باغ کی سیر کو آیا اور اُس نے حضرت لقمان سے کہا کہ ذرا کوئی شیریں ککڑی توڑ کر لاؤ یہ توڑ کر لائے اور آقا نے اُسکی قاشیں کر کے ایک قاش انکو بھی دی منہ میں رکھا تو نہایت تلخ تھی مگر حضرت لقمان نے ذرا منہ نہ بنایا خوشی خوشی کھالی آقا سمجھا کہ شیریں ہوگی جبھی تو خوشی خوشی کھا رہے ہیں ایک قاش اُس نے بھی منہ میں رکھی تو نہایت تلخ تھی اُس نے حضرت لقمان سے کہا کہ میاں یہ تو نہایت تلخ ہے تمنے تو اسے بڑی خوشی سے کھایا ذرا بھی منہ نہ بنایا جواب دیا کہ حضور آپکے ہاتھ سے بہت دفعہ مٹھائیاں بھی کھائی ہیں اگر ایک دفعہ کڑوی چیز بھی کھالی تو کیا اُسکو زبان پر لاتا اس جواب سے آقا کو ان کی بہت قدر ہوئی پھر اُس نے پوچھا کہ تم اتنے دنوں سے باغبانی کرتے ہو تمکو ابتک اتنی پہچان نہیں ہوئی کہ کونسا پھل شیریں ہے اور کونسا تلخ فرمایا کہ حضور یہ پہچان تو اُسکو ہو جو سارے پھلوں کو چکھتا ہو اُسکو البتہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شیریں اور فلاں تلخ ہے اور جس نے آج سے

پہلے کسی پھل کو چکھا ہی نہو اُسے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ انہیں شیریں کونسا ہے اور تلخ کونسا ہے
کہا پھر تمکو چکھنے سے منع کس نے کیا تھا فرمایا حضور منع تو نہیں کیا تھا مگر اجازت بھی نہیں دی تھی
مجھے تو باغ کی خدمت کا امر کیا گیا تھا چکھنے کو نہیں کہا گیا تھا اسلئے میں خدمت کرتا رہا آج تک
چکھا کسی کو بھی نہیں اس جواب سے اسکو حضرت لقمان کی دیانت و امانت کا اندازہ ہوا۔
غرض دیکھئے حضرت لقمان نے ایک ادنی محسن کے ہاتھ سے تلخ چیز پہونچنے پر ناگواری نہیں ظاہر
کی پھر حیرت ہے کہ ہم حق تعالیٰ سے ناگواری ظاہر کریں جسکی طرف سے ہر وقت انعامات کی بارش
ہمارے اوپر ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اگر کوئی تکلیف پہونچے تو بدن کو کلفت یا قلب کو پریشانی
ہونا چاہیئے یہ تو طبعی امور ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ عقلی ناگواری تو ہونی چاہیئے جیسے اپریشن سے
جسم و قلب کو تو کلفت ہوتی ہے مگر عقلی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ عقلاً ڈاکٹر کے پہلے سے زیادہ ممنون
ہوتے ہیں کم از کم خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا تعلق تو ہونا چاہیئے تو اِنَّا لِلّٰہِ میں ہمکو یہ تعلیم دی گئی ہے
اسکے استحضار کے بعد بتلایئے حزن رہ سکتا ہے ہرگز نہیں اب وہ لوگ رہ گئے جنکو کسی محبوب
کی مفارقت سے غم ہوتا ہے مثلاً بیوی مر گئی یا اولاد مر گئی ان لوگوں کو اِنَّا لِلّٰہِ کے مضمون سے یہ
بات تو حاصل ہو گی کہ حق تعالیٰ کی شکایت نہ کرینگے بلکہ سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ کو سب طرح تصرف
کا اختیار ہے اُسی کی چیز تھی اس نے لیلی مگر فراق محبوب سے جو دلکو ایک بیچینی ہوتی ہے اُس کا
علاج اس سے نہیں ہوا تو آگے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں ان کا علاج فرما دیا کہ تم یقین رکھو
کہ جہاں محبوب گیا ہے چند روز میں تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے تو اس فراق کو لازمی اور دائمی نہ سمجھو
بلکہ یہ ایک دن ختم ہونیوالا ہے پھر سب مجتمع ہو جائیں گے آخر کبھی تمکو سفر پیش نہیں آتا یا محبوب کو
سفر پیش نہیں آتا اسوقت تمکو اسقدر بیچینی کیوں نہیں ہوتی محض اسلئے کہ تم اس فراق کو ایک دن
ختم ہونیوالا سمجھتے ہو بس اسی طرح اب بھی سمجھو بلکہ سفر میں تو تمکو دو چار روز یا دو چار مہینے کی مفارقت
کا یقین بھی ہوتا ہے اور یہاں تو ایک دن کی مہلت کا بھی یقین نہیں کیونکہ ؎ شاید ہمیں نفس
نفس واپسین بود۔ تم اپنی زندگی کو اتنا دراز کیوں سمجھتے ہو کہ محبوب کے بعد ہم بہت دن جئیں گے
اور عرصہ تک مفارقت رہے گی نہیں بلکہ تم موت کو اپنا نصب العین رکھو اور دلکو یوں سمجھاؤ کہ
بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر ہم بھی وہیں پہنچ جائیں گے جہاں یہ گیا ہے اس مضمون کے استحضار سے

مفارقتِ محبوب کا غم بھی ہلکا ہو جائیگا ۔ تو دیکھئے حق تعالیٰ کو اپنے نبی کی امت کا محزون و غمگیں رہنا بھی گوارا نہیں اُسکے ازالۂ حزن کی بھی مختلف تدبیریں فرمائی ہیں تو وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج کو کیونکر گوارا فرما سکتے ہیں اسلئے جب حضور کو کوئی رنج پیش آیا حق تعالیٰ نے جلدی ہی اُسکو زائل فرما دیا چنانچہ سورۂ ضحیٰ کا نزول بھی ایک رنج ہی کے ازالہ کیلئے ہوا ہے جو حضور کو پیش آیا تھا اور اُسی رنج کے ازالہ کیلئے حق تعالیٰ نے اپنے احسانات یاد دلائے ہیں کیونکہ اسکو رفع حزن میں خاص دخل ہے عـه یہاں بعض لوگوں کو تعجب ہوگا کہ تذکیر احسانات کو رفع حزن میں کیا دخل ۔ مگر اس تعجب کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضور کے حُزن کو اپنے حُزن پر قیاس کیا ہے اور یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ حضور کو اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں اور آپ کے حالات کو اپنے حالات پر حالانکہ حضور کی شان یہ ہے بشر لا کالبشر و لکن کالیاقوت بین الحجر ۔ آپ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں ہیں بلکہ آپ انسانوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہو اگرچہ کہ جنس کے اعتبار سے تو وہ بھی پتھر ہی ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہے یاقوت میں اور دوسرے پتھروں میں ۔ اب اگر کوئی محض اشتراکِ جنس کی وجہ سے یاقوت کو اور پتھروں پر قیاس کرنے لگے تو اُس سے یوں ہی کہا جائیگا کہ تیری عقل پر پڑیں پتھر ۔ لہٰذا محض انسان سمجھکر حضور کو اپنے اوپر قیاس نکرو کیا انسان سارے یکساں ہی ہوا کرتے ہیں دیکھو ایک آدمی تو حبشی کالا بجھنگا ہے آدمی تو وہ بھی ہے اور ایک حسین یوسف لاثانی ہے وہ بھی آدمی ہی ہے مگر کیا دونوں برابر ہیں اور کیا ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جا سکتا ہے ہرگز نہیں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ اگر کسی نے آدمیوں میں صرف اس یوسف لاثانی کو دیکھا ہو اُسکے بعد پھر حبشی کو دیکھے تو وہ ہرگز یقین نکریگا کہ یہ بھی آدمی ہے بلکہ اُسکو جن یا دیو سمجھے گا کیونکہ اُسکے نزدیک تو آدمی اُسے کہتے ہیں جو اس حسین کے مشابہ ہو ۔ اسی طرح حضور ایسے انسان ہیں کہ آپکو دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تم بھی آدمی ہیں تو وہ تو معلوم ہمکو کیا سمجھے گا کہ یہ گدھے ہیں یا بیل ہیں اب یہاں تین فرقے ہو گئے بعض تو وہ ہوئے جنھوں نے حضور کو بشر ہی نہ سمجھا وہ تو خواص الوہیت کو حضور کیلئے ثابت کرنے لگے اور بعض وہ ہیں جنھوں نے آپ کو بھی بالکل اپنا جیسا بشر سمجھا یہ دونوں غلطی پر ہیں اور ایک فرقہ متوسط ہے جو حضور کو بشر تو سمجھتا ہے مگر سب سے اعلیٰ و ارفع سمجھتا ہے اور وہی بات کہتا ہے بشر لا کالبشر

عـه ذکرہ عدۃ فی اوائل التمہید ۱۲ جامع

بلکہ دریا قوت بابین البحر واتنی سمجھی بات ہے ۵

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ✤ ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ✤ درمیاں فرقے بود بے منتہا

غرض ہم لوگ حضور کے حزن کو اپنے حزن پر قیاس کرتے ہیں اسلئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تذکر احسانات کو رفع حزن میں کیا دخل ہے سو خوب سمجھ لیجئے کہ حضور کا رنج ایسا تھا جیسا ہمارا آپکا رنج ہوتا ہے جسکا علاج تذکیر احسانات سے نہیں ہوتا کیونکہ ہمکو رنج ہوتا ہے روٹی نہ ملنے سے کپڑا نہ ہونے سے یا بیمار ہونے سے یا اولاد و عزیز کے مرجانے سے یا مال و متاع کے کھوئے جانے سے اور انمیں سے کوئی رنج بھی ایسا نہیں جو احسانات کی یاددہانی سے زائل ہوسکے اگر کوئی شخص ننگا ہے تو اس کا رنج تذکیر احسانات سے زائل نہوگا اسی طرح بیمار کو بھی احسان یاد دلانے سے شفا نہوگی ہاں جسکو رنج اس گمان سے ہو کہ میرا آقا مجھسے ناراض ہوگیا ہے اسکو تذکیر انعامات و خصوصیات سے تسلی ہوجائیگی۔ ہر شخص کا مزاج جدا ہے ہمکو تو کھانے کپڑے کی تکلیف ہی سے رنج ہوتا ہے اور کسی بات سے نہیں ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ آپکو بجز رضائے محبوب کے اور کسی چیز کی پرواہ نہ تھی اسی لئے آپکو صرف ناراضی حق کے وہم سے رنج ہوتا تھا جسکا علاج یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلاکر تسلی فرماتے ہیں کہ ہم ناراض نہیں ہیں ہم تو آپ پر ہمیشہ عنایتیں کرتے رہتے ہیں بھلا جس شخص کا ایسا مزاج ہو اسکے رنج کو کون سمجھ سکتا ہے اور کسی کی عقل میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ احسانات یاد دلانے سے بھی رنج دور ہوا کرتا ہے۔ مزاج کے مختلف ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

ایک بادشاہ نے امتحان مذاق کے لئے چار سمت کی چار عورتیں اپنے نکاح میں جمع کی تھیں جو حسن میں تو بے نظیر تھیں کیونکہ بادشاہ کیلئے انتخاب کیگئی تھیں مگر فہم سب کا مختلف ایک دن بادشاہ نے انکی عقل و فہم کا امتحان کرنا چاہا کہ دیکھوں عقل و فہم میں بھی سب برابر ہیں یا کم و بیش ہیں تو اس نے ختم شب پر سب سے دریافت کیا کہ اب کیا وقت ہے سب نے بالاتفاق کہا کہ صبح ہوگئی ہے بادشاہ نے ہر ایک سے دلیل پوچھی کہ تمکو محل کے اندر بیٹھے بیٹھے صبح کا ہونا کیسے معلوم ہو تو ہر ایک نے مختلف دلائل بیان کئے ایک نے تو کہا کہ شمع کی روشنی دھیمی

پڑگئی ہے اور واقعی صبح کے وقت چراغ کی روشنی ویسی تیز نہیں رہا کرتی جیسی رات کو تیز ہوا کرتی ہے۔ دوسری نے کہا کہ میری نتھ کے موتی ٹھنڈے ہو گئے اس سے میں سمجھی کہ صبح ہو گئی کیونکہ صبح کی ہوا میں رات کی ہوا سے فرق ہوا کرتا ہے صبح کی ہوا میں خنکی زیادہ ہوتی ہے تو اس عورت نے بہت ہی لطیف دلیل بیان کی تیسری نے کہا پان کا مزہ بدل گیا ہے اس نے بھی بہت لطیف بات کہی چوتھی نے صبح ہونیکی یہ دلیل بیان کی کہ مجھے پاخانہ آرہا ہے۔ کیونکہ اکثر صبح ہوتے ہی پاخانہ آیا کرتا ہے۔ اس جواب سے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت نہایت گندی اور بھدی ہے سا جیسا ہی حال ہمارا ہے کہ ہماری تو روٹیوں میں فرق آجائے تب ہی یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ ہائے ہم قہر میں مبتلا ہو گئے اور روٹیاں ملتی رہیں تو مقہور ہی ہیں بیچارہ بھی نہیں ہوتی۔ سو حضور کے مزاج کو اپنے مزاج پر قیاس نکرو کاملین کا تو رضائے محبوب کی فکر میں یہ حال ہوتا ہے ؎

باسایہ ترا نمی پسندم
عشق است و ہزار بدگمانی

انکو تو عشق و معرفت کی وجہ سے قدم قدم پر اس وہم سے رنج پہونچتا ہے کہ کہیں حق تعالے ناراض نہو گئے ہوں بس اسکے سوا اور کوئی چیز ان کے لئے رنجدہ نہیں اُن کا تو مذاق یہ ہوتا ہے

؎ باتو دوزخ جنت است اے جاں فزا
بیتو جنت دوزخ است اے دلربا

اور یہ شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ صحیح مضمون ہے دیکھئے حدیث میں آتا ہے کہ انبیا علیہم السلام اور بہت سے مسلمان دوزخ میں سے گنہگاروں کو نکال لینے جائیں گے تو گو وہ اُسوقت دوزخ میں ہونگے مگر چونکہ معیت حق نقد وقت ہے اسلئے اُن کے حق میں وہ بھی جنت ہی ہو گی ؎ باتو دوزخ جنت است اے جانفزا + اور ابلیس کو جب مردود کیا گیا جنت اُسی وقت اسکے حق میں دوزخ ہو گئی تھی گو مردودیت کے بعد کچھ دیر وہ جنت میں رہا بھی تھا مگر معیّت حق سلب ہو جانیکے بعد اس کا کچھ دیر جنت میں رہنا دوزخ میں رہنے کے مشابہ تھا یہی ہے ؎ بیتو جنت دوزخ است اے دلربا + غرض انبیاء اور کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گو اُن سے خطائیں نہیں ہوتیں مگر بات بات پر انکو یہ وہم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کہیں ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے سورہ فتح میں فرمایا ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ حالانکہ حضور ذنب سے پاک تھے مگر پھر بھی ذنب اسلئے فرمایا کہ حضور کی پوری تسلی ہو جائے کیونکہ آپ تو اس

بیگناہی ہیں بھی اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے آپ کے خیال کے موافق فرمادیا کہ اچھا اگر آپ اپنی کو گنہگار ہی سمجھتے ہیں تو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمنے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے اب تو آپ کی تسلی ہو جانی چاہیے۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے عاشق محبوب سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کرتا ہے کہ میری خطائیں معاف کردو وہاں خطا کا نام کہاں محبوب کہتا ہے کہ تم تو جان نثار ہو تم سے خطا کیسی؟ مگر وہ آگے ہاتھ جوڑتا ہے خوشامدیں کرتا ہے کہ ایک بار تم زبان سے کہدو کہ میں نے سب خطائیں معاف کیں چنانچہ وہ محض اسکی تسلی کیلئے کہدیتا ہے مگر واقع میں خطا کا نام بھی وہاں نہیں ہوتا۔ اس عشق کی بھی عجیب کیفیات ہیں بس عاشق کا حال یہ ہوتا ہے کہ بُعد میں تو چین کہاں ہوتا قرب میں بھی بے چین ہی رہتا ہے ؎

من شمع جانگدازم دتو صبح دلکشائی — سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیک آں چنانم دور آں چناں کہ گفتم — نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

نہ اسکو وصل میں چین ہے نہ فصل میں چین ہے جتنا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بےچین ہوتا ہے

؎ کنار و بوس سے دونا ہوا عشق — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چنانچہ اس قسم کی بےچینی پر یہ سورت نازل ہوئی تھی جسکی آیتوں کی تلاوت کیگئی ہے جس کے نزول کا قصہ احادیث میں اسطرح آتا ہے کہ ایک مرتبہ چند روز تک وحی منقطع ہوگئی جس پر کفار طرح طرح کے طعن کرتے تھے بڑا طعن ان الفاظ میں تھا ترکک شیطانک نعوذ باللہ آپکو انقطاع وحی سے بھی صدمہ ہوا جیسے محبوب کے خط میں دیر ہونے سے عاشق کو صدمہ ہوتا ہے اور محبوب دیر کیوں کرتا ہے اسلئے تاکہ عشق کی آگ اور بھڑکے اسکے علاوہ اور بھی حکمتیں تھیں تو ایک صدمہ تو آپکو انقطاع وحی سے تھا ہی مزید برآں یہ کہ کفار نے طعن دینا شروع کیا کہ بس خدا نے آپکو چھوڑ دیا بعض نالائقوں نے خدا کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اس کا بھی آپکو صدمہ ہوا نہ اسواسطے کہ معتقد کم ہو جاوینگے یہ فکر تو ہم جیسوں کو ہوا کرتی ہے حضور کی شان اس سے ارفع ہے دوسرے کفار معتقد ہی کہاں تھے بلکہ آپ کو کفار کی ان حرکات سے اسلئے صدمہ ہوا کہ آپ کو امت سے تعلق شفقت بہت ہی زیادہ ہے آپ کی خواہش و تمنا یہ تھی کہ میرا کوئی مخاطب جہنم میں نہ جائے سب جنتی بنجاویں پھر اس شفقت کے ساتھ

کفار کی بدحالی پر جتنا رنج بھی آپکو ہو تھوڑا ہے۔ حق تعالیٰ نے بار بار اس رنج کو قرآن میں دور فرمایا ہے۔ کہیں فرماتے ہیں لا تسئل عن اصحاب الجحیم ۝ کہ آپ کفار کی حرکات پر اتنا رنج کیوں کرتے ہیں آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ اتنے آدمی جہنم میں کیوں گئے کہیں ارشاد ہوتا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین شاید آپ اس رنج میں اپنی جان کو ہلاک ہی کر دینگے کہ یہ کافر ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کو کفار کی بدحالی کسقدر صدمہ ہوتا تھا جسکے متعلق حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ شاید آپ اپنے آپکو ہلاک ہی کر دینگے جب کسی طرح آپکا صدمہ کم نہ ہوا تو پھر صاف صاف فرما دیا کہ ہمکو ہی سبکا مسلمان ہونا منظور نہیں ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعاً ط افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین ۝ اور آپ کی تو بڑی شان ہے حق تعالیٰ نے آپکی امت میں بھی ایسے شفیق لوگ پیدا کیے ہیں جنکو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ حضور کا کوئی امتی انکی وجہ سے جہنم میں جائے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی مہاجر مکی کا واقعہ ہے کہ ایکبار آپ بازار میں کچھ خریدنے تشریف لیگئے کوئی چیز خریدی اور تھیلی میں سے دام نکالکر دوکاندار کو دیے ایک بدوی نے دیکھا اور جب آپ چلے آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ اپنے مکان کے قریب گلی میں پہونچے وہ بدوی آپ کے ہاتھ سے تھیلی اچک اور وہ جا یہ جا۔ آپ نے اسکا کوئی تعاقب نہیں کیا اپنے گھر میں داخل ہو کر زنجیر لگا لی اب بدوی جو گلی سے نکلنا چاہتا ہے تو رستہ نہیں ملتا لوٹ پھر کر پھر وہاں ہی پہونچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا بہت پریشان ہوا آخر سمجھا کہ یہ شیخ کا مال لینے کے سبب سے ہے دروازہ پر آکر پکارا یا شیخ یا شیخ اب شیخ بولتے نہیں پھر اس نے گلی سے نکلنا چاہا مگر رستہ بند پھر شیخ کو پکارا جواب ندارد آخر اس نے غل مچانا شروع کیا کہ لوگو دوڑو مجکو مار دیا محلہ کے لوگ آئے اور پوچھا بدوی نے کہا اس گھر میں کون رہتا ہے اس نے مجھپر ظلم کیا لوگوں نے اسکو ڈانٹا کہ اس میں تو ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں اس نے کہا وہ نہیں باہر بلاؤ تب میں بتلاؤں لوگوں نے منت سماجت کرکے حضرت کو بلایا حضرت تشریف لائے بدوی نے کہا انھوں نے مجھپر ظلم کیا ہے کہ میں نے انکی تھیلی چھینی تھی اب ہمکو رستہ نہیں ملتا اب میں تھیلی واپس کرنا چاہتا ہوں تو یہ بولتے نہیں ان سے کہو کہ اپنی تھیلی لیلیں اور میری جان چھوڑیں لوگوں نے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مجددی دہلوی

حضرت سے عرض کیا کہ ہتھیلی لیجئے آپ نے فرمایا میں ہتھیلی لے نہیں سکتا جب اس نے ہتھیلی چھینی تھی اسی وقت مجھکو یہ خیال ہوا کہ افسوس یہ شخص اس غضب سے دوزخ میں جاویگا میری طبیعت نے اسکو گوارا نکیا کہ میرے سبب میرا ایک بھائی مسلمان دوزخ میں جاوے اسلئے میں نے یہ اسکو ہبہ کردیا تھا اب ہبہ سے رجوع نہیں کرتا۔ شیخ پر غلبہ حال تھا کہ صورت ہبہ کو ہبہ سمجھے اور صورت رجوع کو رجوع سمجھے ورنہ ہبہ بدون قبول موہوب لہ کے تام نہیں اور قبول بھی مجلس ہبہ میں شرط ہے اور یہاں دونوں باتیں مفقود تھیں اسلئے یہ ہبہ شرعاً تام نہیں ہوا تو اس سے رجوع کرنا بھی رجوع عن الہبہ نہ تھا مگر ان حضرات کو درجۂ احتیاط میں صورت رجوع سے بھی وہی نفرت تھی جو عین رجوع میں ہوتی ہے تو دیکھئے مولانا نے اس بدوی کے ہتھیلی چھینتے ہی یہ فرمایا کہ اے اللہ میری وجہ سے یہ دوزخ میں نہ جائے میں نے یہ ہتھیلی اسکو ہبہ کردی تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نہیں چاہتے کہ انکی وجہ سے کوئی دوزخ میں جاوے تو حضور کب چاہ سکتے تھے اسلئے واقعۂ انقطاع وحی میں ایک صدمہ تو ہوا محبت حق کی وجہ سے اور دوسرا صدمہ ہوا شفقت علی الخلق کی وجہ سے سبب ثانی کا علاج تو بہت جگہ کردیا گیا ہی چنانچہ ارشاد ہے لست علیھم بمصیطر ۔ اور ولا تک فی ضیق مما یمکرون ہاں اس مقام پر پہلے سبب کا ازالہ فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ ہمنے آپ سے تعلق قطع نہیں کیا آپ اس کا وسوسہ نہ لائیے پھر اسکی تائید کیلئے اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں کہ ہمکو آج ہی نہیں بلکہ آپ کی ساتھ ہمیشہ سے تعلق ہے ہم ہمیشہ آپ کے اوپر عنایت وکرم کرتے رہے ہیں پھر آج آپکو قطع تعلق کا وسوسہ کیوں پیدا ہوا۔ اس جگہ جو احسانات حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ان میں سب سے پہلے ایک جسمانی احسان کو بیان فرمایا ہے الم یجدک یتیما فآوی کیا خدا نے آپکو یتیم نہیں پایا تھا کہ پھر ٹھکانا دیا۔ ٹھکانا یہ دیا کہ آپکے دادا عبدالمطلب اور چچا ابوطالب کو تربیت کیلئے مقرر فرمایا کہ انھوں نے آپکو یتیموں کی طرح نہیں پالا بلکہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھکر پالا۔ دوسرا احسان باطنی ہے ووجدک ضالا فھدیٰ یعنی خدا تعالیٰ نے آپ کو (امور قطعیہ سمعیہ سے) ناواقف پایا پھر خبردار کردیا یہ قیود میں نے اسلئے بڑھائیں کہ امور عقلیہ کے علم میں انبیاء علیہم السلام بدو فطرت ہی سے کامل ہوتے ہیں جسکی

وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عقل میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ محض دعوے ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ کے عقلاء کو یہ بات تسلیم کرنا پڑی ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام کامل العقل ہوتے ہیں پس آپ امور عقلیہ سے کسی وقت ناواقف نہ تھے البتہ وہ علوم جو عقل کے ادراک سے باہر ہیں جیسے بعض صفات واجب و احوال جنت و نار و مقادیر عبادات وغیرہ وغیرہ ان سے قبل از وحی آپ بیخبر تھے وحی کے بعد خبردار ہوئے اور بعض امور عقلیہ ظنیہ ہیں گو قبل از وحی بھی آپکو علم حاصل تھا مگر ظنی تھا پھر وحی سے انکی تاکید کردی گئی تاکہ وحی سے وہ علم قطعی ہو جائے۔ کیونکہ عقل سے بلاواسطہ جو علوم حاصل ہوتے ہیں انمیں خلط وہم کا اندیشہ رہتا ہے اور وحی میں کسی قسم کا احتمال نہیں اسلئے امور عقلیہ وحی کے بعد زیادہ قطعی ہو جاتے ہیں اس لئے شیخ ابن عربی کا مقولہ ہے کہ صوفیہ کے جو علوم حق سے بلاواسطہ ماخوذ ہوں وہ ظنی ہیں اور جو بواسطہ انبیاء کے ہوں وہ قطعی ہیں اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے است
ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

یعنی صوفیہ کو جو بلاواسطہ القا ہوتا ہے اسمیں خلط شیطانی کا اندیشہ رہتا ہے اور جو علوم بواسطہ قرآن و حدیث کے حاصل ہوتے ہیں وہ اس خلط سے بری ہیں اس لئے علوم مکاشفہ میں ضرورت ہے شریعت کے سامنے ان کو پیش کرنے کی اگر شریعت انکو قبول کرے تو مقبول ہیں ورنہ رد ہیں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تین قسم کے ہیں (۱) عقلیہ محضہ جو عقل محض کے متعلق ہیں انمیں تو علوم انبیاء کے سامنے نہ ارسطو کی کچھ حقیقت ہے نہ افلاطون کی (۲) امور سمعیہ غیر عقلیہ جہاں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی ان سے قبل از وحی انبیاء علیہم السلام ناواقف ہوتے ہیں وحی کے بعد ہی انکو علم حاصل ہوتا ہے (۳) امور عقلیہ ظنیہ انمیں کبھی تو مزید تاکید کیلئے وحی کی احتیاج ہوتی ہے تاکہ وحی سے قطعیت ہو جائے اسوقت وحی آپ کے علم کے موافق نازل ہوتی ہے حضور کے غلاموں کو بھی مطابقت بالوحی ہو گئی ہے تو حضور کو تو کیوں مطابقت نہ ہوتی مگر مزید قطع وحی ہی سے ہوتا ہے اور کبھی بدون وحی کے آپکو یہ علم ہوتا ہی نہیں اور کبھی وحی ناسخ اس اجتہاد کی ہو جاتی ہے اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ علوم عقلیہ قطعیہ سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت بھی ناواقف نہ تھے

اور امور عقلیہ ظنیہ ہیں بعض سے قبل از وحی واقف تھے اور بعض سے ناواقف تھے اور امور سمعیہ غیر عقلیہ سے بعد وحی ہی کے واقف ہوئے خوب سمجھ لو غرض اس جگہ حق تعالیٰ نے تین احسان بیان فرمائے ہیں ایک جسمانی بیچ میں روحانی اخیر میں پھر جسمانی یعنی ووجدک عائلا فاغنی کہ آپکو حاجتمند پایا تو تونگر کر دیا اسمیں حکمت یہ ہے کہ اگر امور جسمانیہ کو امور روحانیہ سے تلبس ہو جاوے تو وہ جسمانیات بھی روحانیات ہی میں داخل ہو جاتے ہیں چنانچہ دنیا کو اگر دین کے کاموں میں صرف کیا جائے اور اُسکو آخرت کیلئے مُعین بنایا جاوے تو اُسوقت دنیا بھی دین میں داخل ہو جاتی ہے ان احسانات کی یاد دہانی سے مطلب یہ ہوا کہ ہمنے آپ پر یہ احسانات کئے ہیں اور ایک مقدمہ یہاں محذوف ہے اُسکو ملا لیا جائے وہ یہ کہ کریم اپنی عادت کو نہیں بدلا کرتا ہے اسلئے آپ بفکر رہئے کہ جو برتاؤ ہمارا آپ کی ساتھ ابتک رہا ہے ہمیشہ وہی برتاؤ رہیگا۔ اور اسی طرح آپ پر انعامات واحسانات ہوتے رہیں گے قطع تعلق کا کبھی وسوسہ لائیے شاید تم اس مقدمہ پر یہ کہو ہمتو بعض دفعہ انقطاع نعمت دیکھتے ہیں سب سے بڑھکر نعمت ایمان ہے ہمتو اُس کا انقطاع بھی دیکھ رہے ہیں چنانچہ بعض لوگ دین سے مرتد ہو جاتے ہیں جنکی نظیریں آجکل بہت نظر آرہی ہیں اس شبہ کا جواب ایک آیت میں خود حق تعالیٰ ہی نے دیدیا ہے فرماتے ہیں ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم یعنی حق تعالیٰ کسی قوم سے اپنا برتاؤ نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ خود ہی اپنا برتاؤ خدا تعالیٰ سے نہ بدلدیں پس جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں یا نیکی و تقوی کے بعد معاصی میں مبتلا ہو رہے ہیں اول خود ان لوگوں نے اپنا تعلق منقطع کر لیا تب حق تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو منقطع کر دیا اب یہاں ایک مقدمہ اور ماننا پڑیگا وہ یہ کہ آپنے اپنا تعلق حق تعالیٰ سے کم نہیں کیا اور مقدمہ بالا کے بنا پر کریم کی عادت ہے کہ وہ از خود اپنے برتاؤ کو نہیں بدلا کرتا اس مجموعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ ہرگز نہ لائیں رہا یہ سوال کہ پھر وحی منقطع کیوں ہوئی تھی اسمیں کیا حکمت تھی جو اُسکو حق تعالیٰ نے اس سورت کے شروع ہی میں اشارۃً بیان فرما دیا ہے۔ والضحی واللیل اذا سجی میں جسمیں دن اور رات کی قسم ہے اسمیں انقطاع وحی کی حکمت ہی کی طرف اشارہ ہے قرآن کی اقسام میں علوم ہوتے ہیں قسم سے محض تاکید کلام

ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ اُنمیں جواب قسم پر استدلال ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس سورت
میں بھی جو ضحیٰ و لیل کی قسم ہے تو اسمیں بھی اشارہ ہے انقطاع وحی کی حکمت پر جس سے شبہ
ہوگیا تھا قطع تعلق اور ناراضی حق کا فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی مثل
چاشت کے ہے اور انقطاع وحی مثل رات کے ہے اور جسطرح عالم جسمانی کیلئے لیل و نہار
کا تعاقب ناگزیر ہے اور بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے اسی طرح عالم روحانی میں بھی قبض و بسط
کا تعاقب ضروری ہے کیا آپ یوں چاہتے ہیں کہ تمام عمر دن ہی رہا کرے تو اس صورت
میں بھلا رات کی حکمتیں کیونکر حاصل ہونگی اگر ساری عمر دن ہی رہا کرتا تو انسان ایسا اپنے
کام کا حریص ہے کہ تمام دن کام کرنا چاہتا تاجر تجارت میں لگا رہتا کاشتکار زراعت
میں لگا رہتا ہر پیشہ والا اپنے پیشہ میں مشغول رہتا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جاڑوں میں چھوٹا
دن ہوتا ہے اسمیں تو تمام کام کرتے ہی ہیں گرمیوں میں بڑا دن ہوتا ہے وہ بھی سارا کام ہی
میں صرف ہو جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنا بھی بڑا دن ہوتا انسان اُسکو اپنے
کام ہی میں صرف کرتا جان کو آرام نہ دیتا حق تعالیٰ نے اسکی راحت کیلئے دن کیساتھ رات
بھی لگا دی جسمیں چاہے کتنا ہی روشنی کا انتظام کیا جائے مگر دن کی طرح کام نہیں ہو سکتا پھر
دن میں تو اگر نیند کو ٹالنا چاہو ٹال سکتے ہو مگر رات کو یہ ایسا چوکیدار ہے کہ خود بخود دفعۃً آنکھوں
پر قبضہ کر لیتا ہے کتنا ہی ٹالو ٹل نہیں سکتا۔ اسی طرح بسط میں عبادات کا شوق بہت ہوتا ہے
طاعات میں دل خوب لگتا ہے کام اچھی طرح ہوتا ہے اگر سالک پر ہمیشہ بسط ہی رہا کرے
تو یہ ہر وقت عبادات ہی میں مشغول رہنا چاہے اور اپنی جان کو آرام نہ دے اور ایسا کرنے سے
شوق ختم ہو جاتا پھر عبادت سے معطل ہو جاتا کیونکہ طبعی امر ہے کہ اگر سارا شوق ایک دم
سے پورا کر لیا جاوے تو پھر وہ باقی نہیں رہ سکتا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
طلبہ کو فرمایا کرتے تھے کہ سبق کی یاد و تکرار کو ایسے وقت میں چھوڑنا چاہئے کہ طبیعت میں کچھ
شوق باقی رہ گیا ہو شوق کو پورا نکرنا چاہئے ورنہ اس سے پھر شوق باقی نہیں رہتا اور اسکی
عجیب مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھو چرخی پر اگر کچھ ڈورا لپٹا ہوا چھوڑ دیا جائے تب تو وہ پھر بٹ جاتی
ہے اور اگر کبھی سارا ڈورا اتر گیا تو پھر بڑی دقت سے اور دیر میں چڑھتی ہے بس تو یہ شوق

چکیٰ کے ڈورے کے مشابہ ہے اسکو تھوڑا سا ضرور باقی رکھنا چاہیئے تو ہر روز سہولت سے کام ہوتا رہے گا واقعی عجیب مثال دی ان حضرات کو معقول کا محسوس بنا دینا بہت ہی سہل ہوتا ہے غرض چونکہ طاعات وعبادات کا کام ساری عمر کا ہے ایک دو دن کا نہیں اور بسط میں شوق زیادہ ہوتا ہے جس سے سالک ہر وقت کام لینا چاہتا اور اسکا انجام تعطل ہوتا اسلئے حق تعالیٰ کبھی کبھی قبض طاری کر دیتے ہیں جسمیں چند روز کیلئے سالک کام کی زیادتی سے رک جاتا ہے کسی کام میں دل نہیں لگتا کیفیات وواردات میں کمی آجاتی ہے کام کرنا بھی چاہتا ہے تو نہیں ہو سکتا جسمیں سالک یہ سمجھتا ہے کہ طاعات میں کمی آگئی مگر حقیقت میں وہ طاعات کی ترقی ہے کیونکہ قبض کے بعد جو بسط آئے گا تو پھر خوب ہی کام ہوگا اور اگر قبض کبھی نہ ہوا کرے تو چند روز کے بعد شوق جب پورا ہو جائیگا پھر ساری عمر کام نہ ہو سکے گا کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اسکا جوش اور شوق پورا ہو جاتا ہے پھر اس سے کام نہیں ہوتا اسلئے قبض کی ضرورت ہے تاکہ سارا شوق ایک دفعہ ہی میں ختم نہ ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ قبض کا ورود در اصل بسط کیلئے ہے اسلئے قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے بلکہ اسکے بعد جو بسط آئیگا اس کا خیال کر کے دلکو تسلی دینا چاہیے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں — تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں
چونکہ قبضے آیدت اے راہرو — آں صلاح تست آیس دل مشو

یہ حکمت تھی انقطاع وحی میں جسکی طرف والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ میں قسم کے ضمن میں اشارہ کیا گیا ہے۔ شاید اس مقام پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں حق تعالیٰ حضور پر اپنی احسان جتلا رہے ہیں جو توہم ہے ضعف تعلق اور خجل کرنے کو اور حضور کے یتیم ہونے اور فقیر ہونیکو بیان فرما رہے ہیں جو توہم ہے اظہار نقص کو سو احسان جتلانے کا جواب تو یہ ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے اسکو دیکھنا چاہیے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انقطاع وحی سے صدمہ اور رنج ہوا تھا نیز کفار نے طعنے دیئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے آپکو چھوڑ دیا۔ حق تعالیٰ نے اسکے جواب میں اپنے احسانات بیان فرمائے ہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کے حال پر نظر عنایت کرتے رہے ہیں اور کریم اپنے برتاؤ کو از خود نہیں بدلا کرتا

آپ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ نہ کیجئے پس یہاں اظہار احسان سے مقصود مخاطب کے ساتھ
اپنی قوۃ تعلق کو ظاہر کرنا ہے نہ وہ احسان جتلانا جس سے مقصود مخاطب کو شرمندہ کرنا ہو۔
رہا یہ کہ حضور کے یتیم و فقیر ہونیکو بیان کرنے سے اظہار نقص کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب اول
تو یہ ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ ظاہر کرنیوالا کون ہے حق تعالیٰ ہی تو ظاہر کر رہے ہیں سو محبوب
اگر محب کے متعلق کوئی نقص کی بات بھی کہدے اس سے جو خوشی ہوتی ہے اسکو عاشق ہی
کا دل جانتا ہے پس جسکو آپ اظہار نقص سمجھتے ہیں اسکو حضور کے دل سے پوچھنا چاہئے کہ
آپکو اسمیں کیا لطف آیا ہوگا۔ سورہ عبس میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ عتاب فرمایا گیا ہے
جسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایکبار آپ کی مجلس میں رؤسا قریش جو سرداران کفار تھے بیٹھے ہوئے تھے
اور حضور ان کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ شاید انکو ہدایت ہو جاوے۔ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم
صحابی نابینا حاضر ہوئے اور پکار کر عرض کیا یا نبی اللہ علمنی مما علمک اللہ۔ حضور کو اس وقت
ان کا آنا کسیقدر گراں ہوا کیونکہ غرباء کے ساتھ ملکر بیٹھنے کو رؤساء قریش گوارا نہ کرتے تھے تو
آپکو خیال ہوا کہ اب ان حضرات کے آنے سے یہ کمبخت چلے جائیں گے اور ہدایت سے محروم
رہیں گے آپکی نیت بالکل بجا تھی مگر غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کو رؤساء کفار کی
ہدایت کا اتنا اہتمام بھی گوارا نہیں جس سے غریب کا آنا کسی وقت بار خاطر ہو اسلئے سورہ عبس
میں حضور کو نہایت لطیف عنوان سے اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ نابینا کا حاضر مجلس ہونا
حضور پر گراں کیوں ہوا۔ پھر اس خطاب میں آپ کو کیسا لطف آیا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے
کہ اسکے بعد جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر مجلس ہوتے تو حضور فرمایا کرتے
مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔ مرحبا اس شخص کو جسکے متعلق میرے پروردگار نے
مجھپر عتاب فرمایا۔ محبوب کے عتاب آمیز خطاب میں جو لذت ہوتی ہے اسکو عشاق ہی جانتے ہیں
ایک بزرگ کے مرید حج کو جا رہے تھے چلتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے حضور میں ہمارا سلام عرض کر دینا چنانچہ جب وہ حاضر روضۂ اطہر ہوئے شیخ کا سلام
عرض کیا وہاں سے جواب عطا ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہدینا جب یہ شخص واپس آیا
اور شیخ کی زیارت کو گیا انھوں نے پوچھا کہو بھائی ہمارا سلام عرض کیا تھا اس نے کہا جی ہاں

عرض کیا تھا حضور نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر کو ہمارا ابھی سلام کہدینا مرید نے بدعتی کا لفظ نہ کہا شیخ نے فرمایا کہ ایک لفظ کیوں چرالیا جوجان تھی خطاب کی کہا حضرت میں ادب کی وجہ سے وہ لفظ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ سننے میں جو لطف ہے وہ جاننے میں تھوڑا ہی ہے اور تمکو ادب یا بے ادبی سے کیا تعلق تم تو پیام رساں ہو تمکو وہی کہنا چاہیے جو حضور نے فرمایا ہے وہ تمھارا کہا ہوا نہوگا بلکہ حضور کا فرمودہ ہوگا چنانچہ مرید نے مجبور ہوکر کہا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ اپنے **بدعتی** پیر کو ہمارا ابھی سلام کہدینا بس یہ سنتے ہی شیخ کو وجد آگیا رقص کرتے تھے اور یوں کہتے تھے ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ‌‌‌‌ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

یہاں لوگوں کو تعجب ہوا ہوگا کہ جو بات شیخ کو پہلے ہی سے معلوم ہو چکی تھی اسکے سننے سے کیوں وجد ہوا جاننے سے کیوں نہ وجد ہوا اس سننے کی حقیقت عشاق ہی کو معلوم ہوتی ہے ابونواس کہتا ہے ؎ الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی الخمر * ولا تسقنی سراً متیٰ امکن الجہر

محبوب سے کہتا ہے کہ مجھکو شراب پلا اور یہ بھی کہتا رہ کہ یہ شراب ہے بھلا کوئی اس سے پوچھے کہ جب تجکو اس کا شراب ہونا معلوم ہے پھر اسکی کیا ضرورت ہے کہ وہ کہتا بھی رہے کہ یہ شراب ہے یہ شراب ہے مگر اسکو عاشق ہی کا ذوق سمجھ سکتا ہے کہ جاننے میں وہ لطف نہیں جو نام سننے میں لطف ہے ہمارے ایک دوست اپنی ایک بیوی کے عاشق تھے انکی حالت یہ تھی کہ بیوی سے پوچھا کرتے کہ میں کون ہوں وہ کہتی کہ تم میرے عاشق ہو اسپر انکو وجد ہوتا تھا ناچنے کودتے تھے واقعی اپنے عشق کے جاننے میں وہ مزا کہاں جو محبوب کے اس کہنے میں لطف ہے کہ تم میرے عاشق ہو یہ راز تھا جسکی وجہ سے شیخ نے مرید کی زبان سے وہی لفظ سننا چاہا جو حضور نے فرمایا تھا اور چونکہ وہ شخص سفیر تھا اسلئے اسوقت اس کا کہنا گویا حضور کا فرمانا تھا اسلئے شیخ کو وجد آیا تو دیکھئے ان بزرگ کو حضور کے اس ارشاد سے کیسا لطف آیا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا سلام کہدینا حالانکہ بدعتی ہونا سخت عیب اور مذموم ہے مگر حضور کے منہ سے انکو یہ لفظ پیارا معلوم ہوا اور مراد اس سے حقیقت بدعت کی نہ تھی ایسا شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا مستحق کہاں ہے محض صورت بدعت مراد ہے جسمیں عشاق غلبہ محبت سے مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے

جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا حال کون معلوم کر سکتا ہے۔ دوسرے مسوق لہ الکلام میں غور کرنے سے یہاں اظہار نقص کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا بلکہ حق تعالیٰ کو ان حالات سے حضور کا کمال ظاہر کرنا مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ کے ان حالات کا اہتمام خود ہم نے کیا تھا کہ جب آپ یتیم تھے تو ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا اور جس کی آسایش کا اہتمام خود حق تعالیٰ فرمائیں تو وہ آسایش کامل ہی ہوگی چنانچہ واقعی آپ کے دادا اور چچا نے ایسی محبت و شفقت کیساتھ حضور کو پرورش کیا ہے کہ باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا اسی طرح جب آپ کو مفلس پایا تو حق تعالیٰ نے غنی کر دیا تو یہ غنا بھی کامل ہی ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ نے خود اس کا اہتمام فرمایا اسپر شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور کے پاس مال اتنا زیادہ کہاں تھا جس سے آپ کے غنا کو کامل کہا جاوے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اول تو حضور کو غنائے ظاہری کی ضرورت نہ تھی اور جو اصل غنا ہے یعنی غنائے قلب وہ تو آپکے پاس من و فطرت سے موجود تھی اور نبوت کے بعد اُسمیں اسقدر ترقی ہوئی کہ کسی کو بھی آپ کے برابر غنائے قلب حاصل نہ ہوگا کیونکہ اسکا مدار توکل اور تعلق مع اللہ پر ہے اور ان صفات میں حضور سے زیادہ کوئی کامل نہیں اسلئے آپ کی غنائے قلب کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ۱۲) بلکہ ظاہری غنا سے تو اہل قلب کو اور پریشانی ہوتی ہے اور اُسکے حقوق کا خیال کرکے یہ پریشانی اور زیادہ بڑھجاتی ہے اُسی کے ازالہ کیلئے حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا ھٰذا عطاءُنا فامنن او امسک بغیر حساب اسکی دو تفسیریں کیگئی ہیں ایک یہ کہ ھٰذا (مبتدا) عطاءُنا (خبر اول) بغیر حساب (خبر ثانی) یہ ہماری عطا ہے اور بیحساب یعنی بیشمار بغیر حساب سے کثرت کا بتلانا مقصود ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ بغیر حساب معمول ہے فامنن او امسک کا یعنی یہ ہماری عطا ہے خواہ دو یا ند و آپ سے اسکے حقوق کے متعلق کوئی سوال و ربازپرس نہ ہوگی جسطرح چاہو تصرف کرو کلی اختیار ہے۔ دوسری تفسیر بہ زیادہ پسند ہے اور واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے اتنی بڑی سلطنت اور اُسکا ساز و سامان خلجان ہو جاتا اگر ان کی تسلی اسطرح نہ کیجاتی جب بغیر حساب فرماکر بار غم ہلکا کر دیا گیا اُسکے بعد انھوں نے بفکری سے سلطنت کی اس سے ظاہری سامان کی کثرت کا موجب پریشانی ہونا ثابت ہو گیا تب ہی تو اسکا ازالہ کیا گیا اسی واسطے جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہے نبی ملک ہونا اختیار کرلیں یا نبی عبد ہونا حضور نے جبریل علیہ السلام کے مشورہ سے نبی عبد ہونا اختیار کیا اگر آپ نبی ملک ہونا چاہتے تو آپ سے بھی یہی ارشاد ہوتا ھٰذا عطاءُنا

فاغنٰی اوامسک بغیر حساب اور اس سے آپ کی بھی تسلی کردیجاتی مگر آپنے سلطنت پر عبدیت کو ترجیح دی اور غنائے ظاہری کو اختیار نہیں فرمایا دوسرے اگر غنائے ظاہری ہی مراد لیجاوے جیسا مشہور مفسرین میں یہی ہے تو گو آپ کے پاس مال جمع نہ رہتا تھا اور اسی سے شبہ عدم غنائے ظاہری کا ہوسکتا ہے مگر جو مقصود ہے غنائے ظاہری سے کہ کوئی مصلحت اٹکی نہ رہے وہ مقصود اسطرح حاصل تھا کہ وقتاً فوقتاً اسقدر مال آتا تھا کہ سلاطین و امراء کی طرح آپ خرچ فرماتے تھے جسمیں یہ بھی حکمت تھی کہ آپ مقتدا تھے اور مقتدا کے لیئے وقعت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عرفاً تمول سے ہوتی ہے بشرطیکہ تمول پر تحول بھی مسلط ہو (یعنی سخاوت بھی ہو کہ لوگوں کو دیتا دلاتا رہے جس سے مال چلتا پھرے) چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہری غنا کی بھی یہ حالت تھی کہ آپنے حج وداع میں سو اونٹ قربانی کیئے جنمیں ترسٹھ اپنے دست مبارک سے نحر کیئے جسکی کیفیت حدیث میں آتی ہے کلھن یزدلفن الیہ کہ ہر اونٹ حضور کی طرف اپنی گردن بڑھاتا تھا گویا ہر اک یہ چاہتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجیے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی ؎

همہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامیدِ آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یہ شعر حضور ہی کی شان میں زیادہ چسپاں ہے واقعی آپ تو ایسے ہی تھے کہ جانور اپنی گردن خود آگے بڑہاتے تھے اور ہر اک چاہتا تھا کہ کاش پہلے میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں تو اتنے اونٹوں کا ذبح ہونا بدون ظاہری غنا کے کب ممکن ہے اسی طرح آپ کی عطا اور سخاوت کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپنے سو سو دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا فرمائے ایک اعرابی کو بکریوں کا بھرا جنگل عنایت فرمادیا۔ بحرین سے جب مال آیا تو وہ اتنا تھا کہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا اور حضور نے سب کا سب ایک دم سے بانٹ دیا اور بعض صحابہ کو اتنا دیا جتنا وہ اٹھا سکتے تھے ایسی نظیریں تو سلاطین کے یہاں بھی نہیں سنی جاتیں اس سے آپکا غنائے ظاہری بھی ظاہر ہے کیونکہ غنائے ظاہری کی حقیقت مال کا رکھنا نہیں ہے بلکہ مال کا خرچ کرنا ہے وہ بوجہ اکمل ثابت ہوگیا اسکے بعد ووجدک ضالا فھدیٰ میں آپ کی کمال ہدایت کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے خود آپ کی تعلیم

وتربیت کا اہتمام فرمایا تو ضرور ہے کہ اسکا درجہ بھی کامل ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور کا علم کتنا کچھ کامل تھا۔ بھلا جس نے بچپن میں کسی استاد سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو نہ ایک حرف لکھا ہو اسکے علم کی یہ حالت کہ تمام دنیا کو علم سکھا دیا عرب کے جاہلوں کو ارسطو و افلاطون سے زیادہ حکیم بنا دیا یہ کمال ہدایت نہیں تو کیا ہے حضور کے علوم کا اندازہ احادیث کے پڑھنے سے اور قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ قرآن کے مطالب کو ایسا کوئی شخص حل نہیں کر سکا جیسا حضور اسکو جانتے تھے۔ ادہر احادیث میں حضور نے اصلاح اخلاق وتہذیب نفس وحسن معاشرت وتمدن وقضاء وامارت وسلطنت کے جو اصول وقواعد بیان فرمائے ہیں انکو دیکھکر آپ کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بھلا کوئی شخص بھی ایسا جامع ہو سکتا ہے جو عبادات کی بھی کامل تعلیم دے اخلاق کی بھی معاملات کی بھی معاشرت کی بھی اور تمدن وسیاست کی بھی پھر تعلیم بھی کیسی پاکیزہ جسکی نظیر ملنا محال ہے پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر حضور کے نقائص کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ کے احوال کی تکمیل وکمال کو بیان فرمایا ہے خوب سمجھ لو اشکال کا جواب تو ہو گیا اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ مضمون اسوقت میں نے کیوں اختیار کیا میں اسوقت اس کا سبب بتلاتا ہوں۔ احباب کو معلوم ہے کہ میں چندہ کا ذکر وعظ میں کبھی نہیں کیا کرتا اور یہ میرے اندر کمی ہے کیونکہ جب حق تعالیٰ نے قرآن میں جابجا انفاق فی الخیر کی ترغیب دی ہے تو میں اس سے رکنے والا کون ہوں مگر اس کمی میں میں منفرد نہیں بلکہ سامعین بھی شریک ہیں ان کی شرکت اس بنا پر ہے کہ لوگوں کو انفاق کا ذکر ناگوار ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو خود میری کمی کا سبب بھی یہی ہے اگر لوگوں کو چندہ کا ذکر ناگوار نہ ہوا کرتا تو میرے رکنے کی کوئی وجہ نہ تھی اسی لئے میں اس کا بیان بہت ہی کم کرتا ہوں مگر جب کرتا ہوں تو صاف صاف کرتا ہوں واعظوں کی طرح ہیر پھیر نہیں کرتا جیسے ایک صاحب نے چندہ کی ترغیب دی ایک عورت نے اپنے پیر سے ایک چھانور نکالکر دیدی تو اب آپکو فکر ہوئی کہ کسی طرح دوسری چھانور بھی لینی چاہئے فوراً ایک مضمون گھڑا اس عورت کو بہت دعا دی شاباشی دی پھر کہا مگر افسوس یہ ہے کہ ایک پیر تو جنت میں ہے اور ایک پیر دوزخ میں اس عورت نے

یہ سنکر دوسری جھانور بھی نکالکر پھینکدی حالانکہ یہ مضمون بالکل غلط تھا بھلا ایک جھانور
نہ دینے سے دوسرا پیر دوزخ میں کیوں چلا گیا بلکہ وہ تو جنت سے بھی باہر نہ رہیگا اسیطرح
بعض لوگ علم کی فضیلت بیان کرنا شروع کرتے ہیں پھر مدارس کی ضرورت بتلا کر اپنے
مدرسہ کی امداد کا ذکر کرنے لگتے ہیں جس سے سننے والیکو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ علم کے سارے
فضائل اپنے مدرسہ کے چندہ کے واسطے بیان ہوے تھے تو میں ایسا نہیں کرتا کہ چندہ کے
ذکر کا کسی مضمون پر جوڑ لگاؤں بلکہ جب کبھی میں اس کا ذکر شروع کرتا ہوں اسی وقت صاف
کہدیتا ہوں کہ اب میں چندہ کا بیان کرونگا جسکو ناگوار ہو وہ اٹھ جائے اسکے بعد بھی جو بیٹھا
رہے وہ اپنی خوشی سے سنتا ہے تو میری طرف سے ان پر کسی ناگوار بیان کا بوجھ نہیں پڑا۔
اب میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو چندہ کا بیان ناگوار کیوں ہے اسکی یہ وجہ نہیں
کہ ہندوستان کے لوگ چندہ دینے میں بخیل ہیں۔ یہ خیال تو مجھے بیان چندہ سے مانع بہت
کم ہوا البتہ یہ خیال کبھی کبھی مانع ہوتا تھا کہ یہاں کے مسلمان دیگر ممالک کے مقابلہ میں مفلس
زیادہ ہیں شاید اسلئے انکو چندہ کا بیان ناگوار ہوتا ہے مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہندوستان
کے مسلمان باوجود افلاس کے بہت چندہ دینے والے ہیں حتی کہ ان کے برابر کسی جگہ کے مسلمان
چندہ دینے والے نہیں تو ایسی حالت میں افلاس بھی ناگواری کا سبب نہیں ہوگا وہ ناگواری
صفت سخا کے سبب زائل ہو جاویگی پس جب نہ بخل اس ناگواری کا سبب ہوا اور نہ افلاس
تو پھر اور کیا سبب ہے، سنئے اس ناگواری کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہم مولویوں اور واعظوں اور
لیڈروں میں بعضے ایسے بھی ہیں جنھوں نے چندہ مانگا اور لوگوں کی جیبوں سے روپیہ نکالکر
اپنی جیب میں ڈال لیا پھر وہ ہانڈی اور تنور میں لگ گیا غریب مسلمان تو اپنا پیٹ کاٹ
کاٹ کر چندہ دیں اور یہ اس سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھریں چنانچہ آجکل ہر طرف سے چندوں کی
بابت اس قسم کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں پھر اب لوگوں کو چندہ کا بیان گراں کیوں نہو
مگر اس ناگواری کا علاج مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہ خود اس کا علاج کر سکتے ہیں وہ یہ کہ ہر
شخص کو روپیہ نہ دیں بلکہ ایسے ہاتھوں کو دیں جنمیں احتیاط کا مادہ ہے۔ پس میں چندہ کی تحریک
کرتا ہوں اور محل بتلاتا ہوں اس محل کے متعلق مجھے اسوقت یہ کہنا ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حالات بیان فرمائے ہیں (۱) یتیم ہونا (۲) مسکین ہونا (۳) علوم شرعیہ سے ناواقف ہونا اور اسکے مقابلہ میں آپنے تین افعال بیان فرمائے ہیں (۱) ایواء (۲) اغناء (۳) ہدایت و تعلیم۔ اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سب کامل ہیں آپ کی کوئی حالت ناقص نہیں ہو سکتی اور منجملہ آپکے حالات کے ایک یتیم ہونا بھی ہے تو یہ حالت بھی کمال کی ہوگی تو جو شخص یتیم ہوگا وہ ایک گونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مشابہت رکھنے کے سبب صاحب حالت کاملہ و قابل احترام ہوگا پس یتیم قابل تعظیم بھی ہوا اور اسکی حالت قابل توجہ بھی ہوئی چنانچہ حق تعالی نے بھی اس مقام پر صفت یتیمی کو اپنی توجہ کا سبب بتایا ہے کیونکہ الم یجدک یتیما فآوی میں ایواء کو متفرع کیا گیا ہے یتیم پر کیونکہ فاء عاطفہ میں تعقیب پر دلالت ہوتی ہے جس سے مابعد کا ماقبل پر متفرع ہونا مفہوم ہوتا ہے اور اگر اسکو فاء سببیہ کہا جائے پھر تو سببیت پر دلالت ظاہر ہے لیکن اگر سببیہ بھی نہ ہو تو محض عاطفہ ہونا بھی دلالت علی التفرع سے خالی نہیں جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ایواء میں یتیم ہونے کو گونہ دخل ہے بہر حال یتیموں کی حالت کا قابل توجہ ہونا اس آیت سے بخوبی ظاہر ہے اور اسوقت آپ جس انجمن کے جلسہ میں شریک ہیں سبکو معلوم ہے کہ اسکے مقاصد میں یتیموں کی پرورش بھی داخل ہے اسلئے ہمکو چاہئے کہ اس کام میں وسعت کے موافق حصہ لیں اور یتیموں کی امداد کا ضرور خیال کریں اور گو اس آیت میں حق تعالی نے یتیم پر صرف ایواء کو مرتب فرمایا ہے جسکے معنی ہیں ٹھکانا دینا جگہ دینا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں صرف جگہ دینا ہی مراد نہیں بلکہ ہر قسم کی آسائش کا انتظام کر دینا مراد ہے کیونکہ محاورات میں ٹھکانا دینا اسی وقت بولا جاتا ہے جبکہ کسی شخص کی آسائش کا پورا انتظام کر دیا جائے (چنانچہ جب کسی شخص کو اچھی جگہ ملازمت ملجاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ بھائی خدا کے فضل سے ہمیں تو ٹھکانا لگ گیا یعنی آسائش کی صورت ملگئی ورنہ محض مکان سے تو وہ پہلے بھی خالی نہ تھا ۱۲) اسلئے ہمکو یتیموں کے کھانے کپڑے کا بھی انتظام کرنا چاہئے اُن کے لئے مکان کا بھی انتظام کرنا چاہئے چنانچہ یہ انجمن بہت خوبی کے ساتھ یہ سب کام کر رہی ہے اور یہ سب ایواء ہی میں داخل ہیں پھر اسوقت

یہاں ایواء معنوی بھی موجود ہے وہ یہ کہ یتیموں کیلئے مکان کی ضرورت ہے کیونکہ پرانا مکان کافی نہیں ہے اور یتیموں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے اسلئے ایسی جگہ کی ضرورت ہے جو وسعت کیساتھ کافی ہوسکے سکریٹری صاحب انجمن سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کا انتظام تو اس طرح فرما دیا کہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک بڑا قطعہ ملگیا ہے جو بہت کافی ہے مگر حکومت نے اسکے لئے ایک میعاد مقرر کی ہے کہ اس میعاد میں مکان کی تعمیر شروع ہو گئی تب تو انجمن کا قبضہ اس زمین پر مسلم ہوگا ورنہ زمین واپس لیلی جائے گی اور اس شرط میں حکمت بھی تھی کیونکہ کسی کو جائداد دینا تو مقصود نہیں بلکہ ایک کام کیلئے جگہ دینا مقصود ہے اگر وہ کام ہوا تب تو دیجائے گی اور کام نہوا تو واپس لیلی جائے گی یہ بھی انکی زبانی معلوم ہوا کہ پہلی میعاد ختم ہوگئی تھی پھر اسمیں توسیع کرائی گئی پھر بھی تعمیر مکان کا انتظام نہو سکا اب وہ میعاد بھی ختم ہونے کو ہے اور ابتک تعمیر کا انتظام مکمل نہیں ہوا اسلئے یہ جلسہ تجویز کیا گیا تاکہ عام مسلمانوں کو اس ضرورت سے مطلع کیا جائے کیونکہ اگر اب بھی تعمیر کا کام شروع نہوا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک قیمتی قطعہ نکلجائیگا جسکا ملنا ہر وقت آسان نہیں سکریٹری صاحب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس ضرورت کیلئے بیرون شہر چندہ کی کوشش کی تو باہر کے لوگوں نے یہ کہا کہ یہ کام ایک خاص شہر کے متعلق ہے پہلے ہمکو یہ بتلاؤ کہ اس شہر کے باشندوں نے اس میں کیا حصہ لیا پھر ہم بھی شریک ہوجائیں گے اور واقعی ان کا یہ سوال بجا تھا کیونکہ کسی ضرورت کے واقعی اور غیر واقعی ہونیکا حال ان لوگوں کو سب سے زیادہ ہوتا ہے جہاں کی وہ ضرورت ہے پس اگر وہ واقعی ضرورت ہوتی ہے تو اس جگہ کے اہل خیر ضرور اسمیں شریک ہوتے ہیں اور جس کام میں اس جگہ کے رہنے والے شریک نہیں تو اس سے باہر والوں کو اس کے ضروری ہونے میں بلکہ واقعی ہونے میں شبہ ہوجاتا ہے علاوہ ازیں یہ کہ جو ضرورت جس جگہ کی ہوتی ہے ان پر سب سے زیادہ حق بھی ہوتا ہے اس لئے سب سے پہلے باشندگان شہر کو اس امداد میں حصہ لینا چاہئے اسی غرض کیلئے جلسہ کیا گیا ہے تاکہ آپ حضرات کو اسی ضرورت سے مطلع کیا جائے اب ضرورت ہے کہ آپ مسلمان اسمیں توجہ کریں پس تعمیر مکان میں امداد کرنا تو ایواء یتیم میں داخل ہوگیا پھر یتیم لڑکے یہاں

رہکر تعلیم دین بھی حاصل کرتے ہیں تو اس میں ہدایت سنال بھی ہے۔ پھر یہاں جتنے یتیم بچے ہیں وہ سب مسکین بھی ہیں اور آپ کی امداد سے انکو کھانا کپڑا ملیگا انکی حالت درست ہو گی ان کو غنا حاصل ہو گا تو انہیں امداد کرنے میں اعتبار مسکین بھی ہے نیز یہاں یتیموں کو دستکاری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ یہاں سے فارغ ہو کر اپنی معیشت کا سامان سہولت سے کر سکیں اس کا بھی اعتبار مسکین ہونا ظاہر ہے اور دستکاری کی تعلیم کو دنیا نہ سمجھا جائے بلکہ اگر نیت اچھی ہو تو وہ بھی دین میں داخل ہے مثلاً یہ نیت کیجائے کہ یتیم بچے دستکاری سیکھکر سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے بچیں گے یا ناجائز طریقوں سے دنیا نہ کمائیں گے اس نیت سے دستکاری سیکھنا اور سکھانا کسب حلال میں داخل ہے جسکے متعلق ارشاد ہے کسب الحلال فریضۃ من بعد الفریضۃ - اور میں تو آجکل اسکی تعلیم کو بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ایسا شخص جو کسی قسم کا پیشہ اور ہنر جانتا ہو مخلوق کو دھوکہ دیکر دنیا نہ کمائیگا جیسا کہ آج کل بہت لوگوں نے پیرزادگی کا جال پھیلا رکھا ہے اور بہت سے نااہلوں نے وعظ گوئی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دینی مدارس میں دستکاری کی شاخ کھولدی جائے کیونکہ ہر کام کا ایک اصول ہوتا ہے بے اصول کے کوئی کام سرسبز نہیں ہوتا پس دستکاری کی تعلیم کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اسکو دینی تعلیم کے ساتھ منضم کیا جائے کیونکہ پھر دونوں کے مدغم ہو جانیکا اندیشہ ہے اول اول انضمام ہوتا ہے پھر انجام کار ادغام ہو جاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم کا نام ہی نام رہ جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں کو جہاں دستکاری کی ضرورت ہے وہاں اس سے زیادہ اسکی ضرورت ہے کہ ان میں ایسے افراد پیدا ہوں جو علوم دین میں متبحر ہوں اور تجربہ ہے کہ دینی تعلیم میں تبحر اسی وقت ہوتا ہے جبکہ طالب علم تعلیم دین کیوقت ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہو اور دستکاری کی شاخ ملجانے کے بعد توجہ منقسم ہو جائے گی اسلئے دین میں تبحر حاصل نہ ہو سکے گا اسی لئے میں اس کا بھی مخالف ہوں کہ دینی مدارس میں تقریر و مناظرہ کی تعلیم کیلئے کوئی شعبہ قائم کیا جائے کیونکہ تجربہ ہے کہ طالب علم تقریر و مناظرہ میں زمانہ تعلیم کے وقت مشغول ہو کر پھر کتابوں میں پوری توجہ نہیں کرتے جس سے

اُن کی کتابی استعداد ناقص رہ جاتی ہے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کاموں کے لئے مستقل مدارس قائم کئے جائیں دینی مدارس میں محض مسائل دین اور اُن کے مقدمات کی تعلیم ہونی چاہیئے اور دستکاری کے مدرسوں میں محض دستکاری کی تعلیم ہونی چاہیئے اور مناظرہ کے مدارس میں محض مناظرہ کی تعلیم ہونی چاہیئے اس طرح جو شخص جس مدرسہ سے فارغ ہوگا وہ اُس کام میں ذی استعداد اور کامل ہوگا۔ غرض اسوقت ایواء یتیم ہدایت طالب واغنار مسکین سب جمع ہیں جن کے محل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں جھلک رہی ہیں اور اُس محل کی ساتھ معاملہ جمیل کرنے میں حق تعالیٰ کے افعال کی شانیں جھلک رہی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ سب مسلمان توجہ کریں میرے نزدیک اسکی آسان صورت یہ ہے کہ جو لوگ زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ یتیم خانہ کا ایک ایک کمرہ لے لیں کہ وہ کمرہ خالص اُن کی رقم سے تعمیر کردیا جائے اور اگر ایک شخص ایک کمرہ نہ بنا سکے تو چند آدمی ملکر ایک کمرہ کی تعمیر اپنے ذمہ لے لیں شاید بعض عورتیں بھی امداد کرنا چاہیں اُن کو چاہیئے کہ فرش اور لپائی کا خرچ وہ اپنے ذمہ لے لیں تو دیواریں مردوں کی ہونگی اور فرش عورتوں کا پھر وہ لطیفہ ہوجائیگا جو مولوی عبدالرب صاحب نے سہارنپور کی جامع مسجد کے متعلق ایک زنانہ وعظ میں فرمایا تھا وعظ میں اول تعمیر مسجد کے فضائل بیان فرمائے پھر کہا کہ افسوس ہے ہماری بہنیں اس فضیلت سے محروم رہ گئیں کیونکہ مسجد مکمل ہوچکی سارا کام قریب الختم ہے پھر کہا ہاں خوب یاد آیا ایک کام تو ابھی باقی ہے اور اصل کام وہی ہے اور وہ فرش کا کام ہے کیونکہ مسجد میں نماز تو فرش ہی پر پڑھتے ہیں۔ بس ہماری بہنوں کو مسجد کا فرش بنوا دینا چاہیئے اسمیں یہ لطف ہوگا کہ جب فرشتے نمازیوں کی نمازوں کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرینگے تو یوں عرض کریں گے کہ لیجیئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں۔ مولوی عبدالرب صاحب کے وعظ میں ایسے لطیفے بہت ہوا کرتے تھے مگر عورتوں سے اگر چندہ لیا جائے اور اس غرض سے زنانہ میں وعظ کہا جائے تو اسمیں چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ عورتوں کے وعظ میں اشعار نہ پڑھے جائیں اور اگر پڑھے

جائیں تو آواز بنا کر نہ پڑھے جائیں بلکہ سیدھے سادے طریقہ سے پڑھدیئے جائیں دوسرے یہ کہ مجلس وعظ میں اگر عورتیں چندہ دیں تو اسکو اسوقت نہ لیا جائے بلکہ اُن سے کہدیا جائے کہ اپنے شوہروں یا عزیزوں کے ہاتھ بھیجیں کیونکہ عورتیں چندہ میں اکثر اپنا زیور دیا کرتی ہیں اور زیور دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو انکو باپ کی طرف سے ملتا ہے یہ تو اُن کی ملک ہوتا ہے دوسرا وہ جو شوہر بنا کر اُن کو دیتا ہے یہ بعض جگہ تو عورتوں کے ملک ہوتا ہے اور بعض جگہ مردوں کی ملک ہوتا ہے جو عورتوں کو محض استعمال کیلئے مستعار دیا جاتا ہے تو اس زیور میں تو شوہر کی رضا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ وہ اُسکی ملک ہے عورتوں کو اُسمیں تصرف کرنیکا اختیار نہیں اور جو زیور خاص عورتوں ہی کی ملک ہو گو اُسمیں شوہر کی اجازت کی تو ضرورت نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ عورتیں خالص اپنی ملک میں بھی کوئی تصرف شوہر کی مرضی کے خلاف نکریں اور مجلس وعظ میں جو چندہ عورتیں دیتی ہیں وہ عموماً شوہر سے مشورہ کئے بغیر دیتی ہیں کیونکہ وہ تو فوری جوش کا اثر ہوتا ہے اس سے پہلے اُن کی نیت ہی نہیں ہوتی تو مشورہ کس سے کرتیں اسلئے بہتر صورت یہ ہے کہ مجلس وعظ میں عورتوں کا چندہ نہ لیا جاوے بلکہ اُن سے کہدیا جائے کہ جسکو جو کچھ دینا ہو وہ اپنے باپ یا شوہر یا اور کسی عزیز کے ہاتھ بھیجیں مجلس وعظ کے بعد جو کچھ وہ بھیجیں گی اُسمیں مشورہ کر سکتی ہیں نیز چندہ لینے والا تحقیق بھی کر سکتا ہے باقی مجلس وعظ میں عورتوں سے چندہ لینے کے تو مفاسد بہت جگہ تجربہ میں آچکے ہیں اسلئے مہتممان مدارس کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہیئے یہ اجمالی بیان تھا عورتوں کے چندہ کے حقوق کا اور عام چندوں کے حقوق تو بارہا بیان ہوئے ہیں اُن کے بیان کی اسوقت ضرورت نہیں جنمیں ایک بڑا حق یہ ہے کہ کسی پر کسی قسم کا اثر ڈالکر یا دباؤ ڈالکر چندہ نہ لیا جائے اب میں ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سب مسلمان یتیم خانہ کی تعمیر مکمل کرنے میں پوری توجہ کرینگے جتنی جسمیں ہمت ہو اُس سے دریغ نکیا جاوے نہ تو اپنے اوپر بار ڈالا جائے اور نہ اتنی غفلت کیجائے کہ کچھ بھی خیال نہو اور جس سے مالی امداد نہو سکے وہ دوسروں کو ترغیب دیں اور جس سے یہ بھی نہو سکے وہ دعا سے امداد کرے مسلمان کی دعا بھی بڑی امداد ہے

اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے وہ خدا کے لئے اسلامی کام میں روڑے تو نہ اٹکا دے کیونکہ آجکل
بعض لوگ اس مذاق کے بھی ہیں جو نہ خود کام کریں نہ کسی کو کرنے دیں بس اب
میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے حق تعالیٰ ہمکو توفیق خیر دے۔ اور سامعین کو چاہئے کہ وعظ
کے بعد فوراً منتشر نہ ہوں بلکہ تھوڑی دیر توقف کریں انجمن کی طرف سے ایک رپورٹ پڑھی
جائے گی اسکو میں نے بھی دیکھا ہے اور کہیں کہیں مناسب مشورے بھی دئے ہیں جو خوشی کے
ساتھ قبول کئے گئے اسمیں جہانتک میرا خیال ہے جو کچھ ہے صحیح مضمون ہے کسی قسم کی مضمون
نگاری نہیں ہے رپورٹ کے ساتھ ایک نظم بھی ہے جو کسی نے خوب ہی درد سے لکھی ہے
وہ سننے کے قابل ہے اس کا مضمون ایسا ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں
رہ سکتا حق تعالیٰ ناظم کو جزائے خیر دے (اسکے بعد حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی بدون
ہاتھ اٹھا کر دعا کئے ممبر سے اتر آئے کیونکہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنیکے بعد اکثر مجمع منتشر ہو جاتا ہے
حضرت کے ممبر سے اترنیکے بعد انجمن کی طرف سے رپورٹ سنائی گئی پھر یتیم بچوں نے دردناک
لہجہ سے نظم پڑھنا شروع کی یتیموں کی زبانی ان کی المناک کہانی سنکر سارا مجمع بیساختہ
رونے لگا بعضوں کی ہچکیاں بندھ گئیں بالآخر یتیم بچے بٹھلا دئے گئے اور نظم کو ایک دوسرے
صاحب نے پورا کیا اسکے بعد امام صاحب جامع مسجد نے ایک پرزور و پرجوش تقریر سے
سامعین کو تعمیر یتیم خانہ کی طرف متوجہ کیا جسپر چاروں طرف سے چندہ کی رقمیں لکھوائی
جانے لگی تقریباً آدھ گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار روپئے کے وعدے لکھوائے گئے بعض اہل خیر
نے صدر دروازہ کی تعمیر اپنے ذمہ لی بعض حضرات نے ایک ایک کمرہ کی تعمیر کا وعدہ فرمایا
بعض نے نقد امداد کی حضرت اقدس سیدی حکیم الامت دام مجدہم نے بھی یتیم خانہ کی تعمیر
میں مبلغ صہ روپئے عنایت فرمائے جو نہایت مسرت و ابتہاج کے ساتھ قبول کئے گئے اور
لاکھوں سے زیادہ سمجھے گئے بالآخر بارہ بجے کے بعد جلسہ نہایت خیر و خوبی و کامیابی کیساتھ
ختم ہوا حضرت حکیم الامت نے اسوقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی سامعین نے بھی ہاتھ اٹھائے
اور بارگاہ رب العالمین میں عجز و نیاز سے التجائیں ہونے لگیں وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ
سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ہ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ہ

تمت

مختصر فہرست کتب موجودہ مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

نام کتاب	قیمت
فرمان والاشان بنام منذر بن ساوی عبدی	۸/
اصلاح الرسوم۔	۶
اصلاح الخیال	۳
اصلاح انقلاب حصہ اول	عـہ ۸/
الاقتصاد۔	۴
آداب المعاشرت۔	۲
ادب القرآن۔	۳
تغییر العنوان فی بعض عبارات حفظ الایمان	۰۱
الترتیب اللطیف۔	۵
جزاء الاعمال۔	۲
حقوق الاسلام۔	۱
خصوص الکلم فی شرح خصوص الحکم۔	۸
صفائی معاملات۔	۳
قصد السبیل۔	۲
کلید مثنوی دفتر ششم کامل	عـ۵
کاغذ سفید وزرد کلید مثنوی دفتر ششم کامل	ے
کاغذ بادامی وسفید نشر الطیب۔	عـہ ۸/
وعظ ذکر الرسول التبلیغ کا پہلا وعظ۔	۰۲
شکر النعمہ التبلیغ کا تیسرا وعظ	۰۳
الظاہر التبلیغ کا چوتھا وعظ۔	۵
مواعظ دعوات عبدیت حصہ ہشتم۔	عـہ ۸/
فضائل العلم دعوات عبدیت حصہ سوم کا پانچواں وعظ	۶
ترغیب الاضحیہ ″ ″ چھٹا وعظ	۰۲
ضرورۃ التوبہ ″ ″ ساتواں وعظ	۰۳
تفصیل التوبہ ″ ″ آٹھواں وعظ	۵
تکمیل الاسلام ″ ″ نواں وعظ	۰۳
ترک المعاصی دعوات عبدیت حصہ سوم کا دسواں وعظ۔	۰۳
ملفوظات دعوات عبدیت حصہ سوم۔	۶
محاسن الاسلام التبلیغ کا چوبیسواں وعظ۔	۶
الدر المنضود حصہ اول	۱۰
احیاء السنن حصہ اول	عـہ ۸/
اعلاء السنن حصہ دوم احیاء السنن۔	عـہ ۴
افلاح النساء۔	۴
تواریخ حبیب الٰہ۔	۸
روا ہا ہندی۔	۸
خواجہ بیتی خواجہ حسن نظامی کا رد	۶
رحمۃ المتعلمین۔	۸
تیسیر المبتدی حصہ فارسی	۰۲
تیسیر المنطق۔	۰۲